توحیدِ باری تعالیٰ

افادات

متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید باری تعالیٰ

توحید باری تعالیٰ کے متعلق تین باتیں قابل فہم ہیں۔

1: ذاتِ باری تعالیٰ 2: صفاتِ باری تعالیٰ 3: اسماءِ باری تعالیٰ

1: ذاتِ باری تعالیٰ:

ذات باری تعالیٰ کے بارے میں پانچ بنیادی باتیں سمجھنی ضروری ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تعریف:

امام ابوالفرج عبدالرحمان بن الجوزی رحمہ اللہ ت 597ھ لکھتے ہیں:

۱: "[اَللّٰہُ تَعَالٰی] لَیْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْھَرٍ وَلَا عَرْضٍ وَلَا طَوِیْلٍ وَلَا عَرِیْضٍ وَلَا یَشْغُلُ الْاَمْکِنَۃَ وَلَا یَحْوِیْہِ مَکَانٌ وَلَا جِھَۃٌ مِّنَ الْجِھَاتِ السِّتِّ وَلَیْسَ بِمُتَحَرِّکٍ وَلَا سَاکِنٍ وَلَا یُدْرِکُہُ الْاِحْسَاسُ۔"

(دفع شُبہ التشبیہ: ص107)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں، نہ جوہر ہے، نہ عرض، نہ طویل، نہ عریض، نہ کسی مکان میں میں اتر کر اس کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہاتِ ستہ میں سے کوئی خاص جہت ثابت ہے، نہ ہی وہ متحرک ہے، نہ ساکن ہے، نہ ہی حواس کے ذریعہ اس کی حقیقت کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ:

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ان کی تعریف پیش کی جاتی ہے:

1: جسم:

حضرت مولانا سید شاہ حسن دیوبندی رحمہ اللہ ت 1391ھ لکھتے ہیں:

اَلْمُرَکَّبُ مِنْ جُزْئَیْنِ فَصَاعِداً.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص76

ترجمہ: دو یا دو سے زائد اجزاء سے مرکب چیز کو جسم کہتے ہیں۔

2: جوہر

مولانا سید شاہ حسن دیوبندی رحمہ اللہ ت 1391ھ لکھتے ہیں:

كُلُّ مُمْكِنٍ لَهُ قِيَامٌ بِذَاتِهِ اَيْ لَيْسَ تَحَيُّزُهُ تَابِعاً لِتَحَيُّزِ غَيْرِهٖ.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص**76**

ترجمہ: ہر وہ ممکن چیز ہے جس کا قیام ذاتی ہو یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسری چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع نہ ہو۔

3: عرض

مولانا سید شاہ حسن دیوبندی رحمہ اللہ ت 1391ھ لکھتے ہیں:

كُلُّ مُمْكِنٍ لَهُ قِيَامٌ بِالْغَيْرِ اَيْ يَكُوْنُ تَحَيُّزُهُ تَابِعاً لِتَحَيُّزِ الْغَيْرِ.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص**76**

ترجمہ: ہر اس ممکن چیز کو عرض کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو، یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسرے چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع ہو۔

4: مکان:

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ لکھتے ہیں:

اَلتَّمَكُّنُ عِبَارَةٌ عِنْدَ نُفُوْذِ بُعْدٍ فِيْ بُعْدٍ آخَرَ مُتَوَهَّمٍ اَوْ مُتَحَقَّقٍ يُسَمُّوْنَهُ الْمَكَانَ.

(شرح العقائد النسفیہ: ص40،41)

ترجمہ: تمکن سے مراد ایک بُعد کا دوسرے بُعد میں سرایت کرنا خواہ وہ دوسرا بُعد متوہم ہو یا متحقق ہو۔ اسی بعد کا نام متکلمین "مکان" رکھتے ہیں۔

5: جھۃ:

مشہور لغوی سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی ت 1205ھ لکھتے ہیں:

الجِهَةُ النَّاحِيَةُ والجانِبُ

تاج العروس مادہ وجہ

ترجمہ: جہت ایک سمت اور کنارے کو کہتے ہیں۔

۲: اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے " قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ " (سورۃ اخلاص: 1)

۳: اول وآخر ہے "هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ" (سورۃ حدید: 2)

فائدہ: اول سے مراد حقیقی اول ہے جس کے لئے ابتداء نہیں اور آخر سے مراد حقیقی آخر ہے جس کے لئے انتہاء نہیں۔

{هو الأول} قبل كل شيء بلا بداية {والآخر} بعد كل شيء بلا نهاية

تفسیر الجلالین سورۃ الحدید آیت 2

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كنت جالسا عند أم المؤمنين عائشة لأقر عينيها بالبراءة وهي تبكي فقالت: والله لقد هجرني القريب والبعيد حتى هجرتني الهرة وما عرض على طعام ولا شراب فكنت أرقد وأنا جائعة ظامئة فرأيت في مناهي فتى فقال لي: ما لك فقلت: حزينة مما ذكر الناس فقال: ادعي بهذه يفرج عنك فقلت: وما هي فقال: قولي يا سابغ النعم ودافع النقم ويا فارج الغمم ويا كاشف الظلم يا أعدل من حكم يا حسيب من ظلم يا ولي من ظلم يا أول بلا بداية ويا آخر بلا نهاية يا من له اسم بلا كنية اللهم اجعل لي من أمري فرجا ومخرجا قالت: فانتبهت وأنا ريانة شبعانة وقد أنزل الله منه فرجي

الدر المنثور لجلال الدين السیوطی ت 911ھ سورۃ النور آیت 26

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا تاکہ میں ان سے ان کی برات والا واقعہ سن کر ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کروں۔ آپ نے روتے ہوئے فرمایا اللہ کی قسم مجھ کو قریب اور دور والوں نے چھوڑ دیا یہاں تک کہ مجھے بلی نے بھی چھوڑ دیا اور مجھے نہ کھانا پیش کیا جاتا اور نہ پینا میں سو رہی تھی اور میں بھوکی اور پیاسی تھی ایک دن میں نے نیند میں ایک نوجوان کو دیکھا اس نے مجھ سے پوچھا تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا لوگوں نے جو باتیں کی ہیں میں ان کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اس نوجوان نے کہا یہ دعا کر تجھ سے غم جاتا رہے گا۔ میں نے پوچھ وہ دعا کیا ہے تو اس نے کہا یہ دعا مانگو۔ اے نعمتوں کی بارش برسانے والے اور ناراضگیاں دور کرنے والے اے غم کے دور کرنے والے اور اے ظلم کے ہٹانے والے، اے انصاف کرنے والے، اے ظالم سے ظلم کا حساب لینے والے، اے مظلوم کی مدد کرنے والے اور اے سب سے پہلے جس کی کوئی ابتداء نہیں اور اے سب سے آخر جس کی کوئی انتہاء نہیں۔ اے وہ ذات جو کنیت سے پاک ہے۔ اے اللہ میرے لیے میرے معاملے میں کشادگی اور نکلنے کا راستہ بنادے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں بیدار ہوئی تو میری پیاس بجھی ہوئی اور پیٹ بھرا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے میرے نکلنے کا راستہ بنا دیا۔

۴: اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے کیونکہ اگر قدیم نہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عدم سے وجود میں آنے کے لیے وہ کسی ایسی چیز کے محتاج تھے کہ وہ ملی ہے تو وجود ملا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کسی چیز کے محتاج نہیں کیونکہ وہ "صمد"

ہیں کما قال تعالیٰ ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ اور ''صمد'' کا معنی ہے ''[اَلَّذِیْ] لَا یَحْتَاجُ اِلٰی اَحَدٍ وَ یَحْتَاجُ اِلَیْهِ کُلُّ اَحَدٍ.''

(تفسیر المدارک للامام النسفی ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

۵: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا جہت اور بلا مکان موجود ہے۔

2: صفات باری تعالیٰ:

صفات کی دو قسمیں ہیں:

[۱] : محکمات [۲] : متشابہات

صفات محکمات: وہ ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ۔

صفات متشابہات: یہ وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں۔

صفات محکمات کی اقسام:

صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں: 1: صفات ذاتیہ 2: صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ: وہ صفات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف نہ ہو سکے انہیں ام الصفات بھی کہتے ہیں اور یہ سات ہیں: حیات اس کی ضد موت، علم اس کی ضد جہل، قدرت اس کی ضد عجز، ارادہ اس کی ضد عدم ارادہ، سمع اس کی ضد صم، بصر اس کی ضد عمی، کلام اس کی ضد بکم۔

1: حیات: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (سورۃ بقرہ: 255)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی حیات ازلاً، ابداً و حیات کل شئ بہ مؤبداً ہے۔

یعنی اللہ کی حیات ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی اور دنیا کی ہر چیز کی حیات اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے۔

2: علم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔'' (سورۃ آل عمران: 29)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کچھ جانتا ہے۔

3: قدرت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔'' (سورۃ بقرہ: 20)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

فائدہ: قدرت کا تعلق ''ممکنات'' کے ساتھ ہوتا ہے، واجبات و محالات کے ساتھ نہیں، کیونکہ واجب و محال میں اپنے ماسویٰ کی تاثیر قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی، جیسے سورج ہر چیز کو گرم کرتا ہے مگر وہ سنگ مرمر جس میں سورج کی تپش قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ جون، جولائی میں دوپہر بارہ بجے بھی ٹھنڈا ہی رہتا ہے۔

فائدہ 1:

واجب الوجود:

میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ ت 816ھ فرماتے ہیں:

واجب الوجود هو الذی یکون یکون وجوده من ذاته ولا یحتاج الی شیئ اصلا

کتاب التعریفات باب الواو ص 174

ترجمہ: واجب الوجود وہ ہے جس کا وجود ذاتی ہو اور وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو۔

محال:

میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ ت 816ھ فرماتے ہیں:

المحال ما یمتنع وجوده فی الخارج

کتاب التعریفات ص 143

ترجمہ: محال وہ ہے جس کا ہو نا ناممکن ہو۔

محال کی اقسام:

محال کی تین قسمیں ہیں

1: محال عقلی: وہ ہے جس کا وجود عقلاً ناممکن ہو۔

مثال:

ایک چیز آگ بھی ہو اور پانی بھی ہو، ایک چیز روشنی بھی ہو اور اندھیرا بھی ہو۔

2: محال شرعی: وہ ہے جس کا وقوع شرعاً ناممکن ہو یعنی شریعت اس کے وقوع کو تسلیم نہ کرے۔

مثال:

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا، کافر کا جنت میں جانا۔

3: محال عادی: وہ چیز جس کا وقوع عادتاً محال ہو۔ عام طور پر لوگوں کی عادت میں نہ ہوتا ہو۔

مثال:

ایک آدمی اتنا دوڑے کہ پانچ سو کلو میٹر فی گھنٹا اس کی رفتار ہو۔

{تنقیحات متکلم اسلام}

ممکن:

میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ ت 816ھ فرماتے ہیں:

لا یقتضی شیئا من الوجود و العدم

کتاب التعریفات ص 296

ترجمہ: ممکن وہ ہے جس کا ہونا، نہ ہونا برابر ہو۔

4: ارادہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ " (سورۃ البروج: 16)

ترجمہ: اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے کر ڈالتا ہے۔

5: سمع: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ " (سورۃ البقرہ: 256)

ترجمہ: اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

6: بصر: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ " (سورۃ الملک: 19)

ترجمہ: بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

7: کلام: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " يٰمُوْسٰى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ " (سورۃ الاعراف: 144)

ترجمہ: اے موسیٰ! میں نے اپنی پیغمبری اور ہم کلامی سے لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔

فائدہ 1: اللہ تعالیٰ کی صفت وہ کلام ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہے، جسے "کلامِ نفسی" کہتے ہیں اور کلام اصل میں "کلامِ نفسی" ہی ہوتا ہے، کلامِ لفظی اس کلامِ نفسی پر دلالت کرتا ہے۔

غیاث بن غوث الاخطل ت 90ھ کہتا ہے:

اِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفُؤَادِ وَاِنَّمَا ..... جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيْلاً

شرح العقائد النسفیہ ص 169

ترجمہ: کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو دل (کی اس کلام) پر دلیل بنایا گیا ہے۔

فائدہ 2: کلامِ نفسی کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالی نے الفاظ اور حروف کا لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالی کا کلامِ نفسی بھی قدیم ہے اور اس پر الفاظ و حروف کا لباس بھی قدیم ہے، ہاں البتہ مخلوق کا اس کو قراۃ و کتابت کرنا حادث ہے۔

فائدہ 3: کسی بھی صفت کا وجود الگ ہے اور اس کا ظہور الگ۔ صفت کلام کا وجود قدیم ہے جو ازل سے ہے ہاں صفت کلام کا ظہور بوقت ضرورت اللہ تعالی فرمادیتے ہیں جس طرح اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا صفت کلام کا وجود ازل سے تھا اس کا ظہور اس وقت ہوا جب حضرت موسی علیہ السلام کوہ طور پہ تشریف لے گئے۔

فائدہ 4:

قدیم:

میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ ت 841ھ فرماتے ہیں:

ویطلق القدیم علی الموجود الذی لیس وجودہ مسبوقا بالعدم

کتاب التعریفات ص 123

ترجمہ: قدیم کا معنی وہ جو ہمیشہ سے ہو جس پہ کبھی عدم نہ آیا ہو۔

حادث:

میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ ت 841ھ فرماتے ہیں:

الحادث مایکون مسبوقا بالعدم

کتاب التعریفات ص 59

ترجمہ: حادث سے مراد ایسی چیز جو پہلے نہ ہو۔

صفات فعلیہ: وہ صفات ہیں جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو سکے لیکن اس صفت کا وقوع اللہ تعالی کے غیر پر ہو جیسے احیاء، اماتت۔ اب احیاء میں حیات کا وقوع اور اماتت میں موت کا وقوع مخلوق پر ہے۔ اسی طرح اعزاز، اذلال۔ اب اعزاز میں عزت کا وقوع اور اذلال میں ذلت کا وقوع مخلوق پر ہے۔

سوال: بعض صفات ایسی ہیں جو متشابہات بھی نہیں اور محکمات کی دونوں قسموں یعنی ذاتیہ اور فعلیہ کے تحت بھی نہیں آتیں مثلاً حکیم خبیر یہ متشابہات نہیں چونکہ ان کا معنی واضح ہے اور محکمات بھی نہیں اس لئے کہ نہ یہ صفات ذاتیہ ہیں کیونکہ وہ

سات ہیں اور نہ ہی صفات فعلیہ ہیں کہ اللہ تعالی صفت حکیم کی ضد کے ساتھ موصوف ہو صفت خبیر کی ضد کے ساتھ موصوف ہو۔

جواب: یہ جو سات صفات ذاتیہ ہیں یہ ام الصفات ہیں باقی تمام صفات جو متشابہات نہیں اور محکمات فعلیہ بھی نہیں وہ ان سات صفات ذاتیہ کے تحت داخل ہو جائیں گی۔

فائدہ1: صفات باری تعالی قدیم ہیں جیسے ذات باری تعالی قدیم ہے۔ مثلاً جب مخلوق نہیں تھی اللہ تب بھی خالق تھے' اللہ کا خالق ہونا وجودِ مخلوق پر موقوف نہیں البتہ مخلوق کا وجود اللہ تعالی کے خالق ہونے پر موقوف ہے۔ صفت خلق کا وجود اور ہے اور اس کا ظہور اور یعنی صفت خلق کا وجود مخلوق کے موجود ہونے سے پہلے تھا البتہ اس کا ظہور مخلوق کے وجود کے ساتھ ہوا ہے۔

فائدہ2: صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں؛ کیونکہ دو چیزوں کے مفہوم کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہو تو اسے ''عین'' کہتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر ہو سکتا ہو تو اس کو ''غیر'' کہتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ عینِ ذاتِ باری اس لئے نہیں کہ صفت، ذات سے ایک زائد چیز کا نام ہے اور غیر اس لئے نہیں کہ صفت تابع اور موصوف متبوع ہوتا ہے اور تابع بغیر متبوع کے نہیں ہو سکتا اور ذات باری تعالیٰ صفات کے بغیر اس لئے نہیں کہ اللہ تعالی کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

متشابہات کی اقسام:

1: غیر معلوم المعنی و غیر معلوم المراد۔ یعنی ان کا لغوی معنی بھی معلوم نہ ہو اور مراد شرعی بھی معلوم نہ ہو جیسے حروف مقطعات الم، حٰم، ن۔

فائدہ1: اس قسم کو متشابہ من کل الوجوہ بھی کہتے ہیں۔

فائدہ2: الم، حٰم، ن۔ یہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں، اللہ تعالی کا کلام ہیں اور اللہ تعالی کا کلام اللہ تعالی کی صفت ہے لہذا حروف مقطعات اللہ تعالی کی صفات ہیں۔

2: معلوم المعنی و غیر معلوم المراد یعنی لغوی معنی معلوم ہو، مراد شرعی معلوم نہ ہو جیسے: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (سورۃ حدید؛4)

فائدہ1: اس قسم کو متشابہ من بعض الوجوہ بھی کہتے ہیں۔

فائدہ2: قرآن کریم میں اللہ تعالی کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں جو بظاہر صفتیں

نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان کے بارے میں تین موقف ہیں۔

1: موقف متقدمین اھل السنۃ والجماعۃ:

"اَلتَّفْوِيْضُ مَعَ تَنْزِيْهِ اللهِ تَعَالٰى عَنْ مُّشَابَهَةِ الْمَخْلُوْقَاتِ"

ترجمہ: ہم ان الفاظ کے معانی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ پاک مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔
تنقیحات متکلم اسلام

- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (ت 791ھ) لکھتے ہیں:

وَالْاَدِلَّةُ الْقَطْعِيَةُ قَائِمَةٌ عَلَى التَّنْزِيْهَاتِ فَيَجِبُ اَنْ يُّفَوَّضَ عِلْمُ النُّصُوْصِ اِلَى اللهِ تعالى عَلٰى مَاهُوَ دَاْبُ السَّلَفِ

شرح العقائد النسفیہ ص 169 تحت الصفۃ ولا یجری علیہ زمان

ترجمہ: اس بات پر دلائل قطعیہ موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم، اعضائے جسم اور جہت سے پاک ہیں لہذا {جن نصوص کے ظاہر سے اعضاء ثابت ہوتے ہیں} ان کے حقیقی معانی کو اللہ پاک کے سپرد کرنا ضروری ہے، جیسا کہ یہ اسلاف کا طریقہ ہے۔

- امام زین الدین قاسم بن قُطلُوبُغا السودونی الجمالی الحنفی (ت 879ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ سَلَفُنَا فِيْ جُمْلَةِ الْمُتَشَابِهِ: نُؤْمِنُ بِهٖ وَنُفَوِّضُ تَأْوِيْلَهٗ إِلَى اللهِ تَعَالٰى مَعَ تَنْزِيْهِهٖ عَمَّا يُوْجِبُ التَّشْبِيْهَ وَالْحُدُوْثَ.

حاشیۃ علی المسایرۃ للقطلوبغا: ص 45

ترجمہ: ہمارے سلف حضرات تمام متشابہات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہم ان صفات پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان تمام امور سے پاک ہے جن سے تشبیہ اور حدوث ثابت ہوتا ہو۔

- علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَعُلَمَاءُ السُّنَّةِ بَعْدَ إِجْمَاعِهِمْ عَلٰى أَنَّ مَعَانِيَهَا الظَّاهِرَةَ غَيْرُ مُرَادَةٍ ذَهَبُوْا مَذْهَبَيْنِ، أَحَدُهُمَا مَذْهَبُ السَّلَفِ وَهُوَ الْإِيْمَانُ بِمَا أَرَادَ اللهُ سُبْحَانَهٗ وَتَفْوِيْضُ عِلْمِهَا إِلَيْهِ تَعَالٰى مَعَ تَنْزِيْهِهٖ عَنِ التَّجَسُّمِ وَالتَّشَبُّهِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص 120

ترجمہ: علمائے اھل السنۃ اس بات پر اجماع کرنے کے بعد کہ ان الفاظ کا ظاہری معنی مراد نہیں، دو موقف رکھتے ہیں۔ ایک موقف علمائے سلف کا ہے کہ ان صفات سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہو ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے

سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ جسم رکھنے اور مشابہ ہونے سے پاک ہے۔

متقدمین اھل السنت والجماعت کے موقف کا خلاصہ چھ باتیں ہیں:

1: ان کلمات سے مراد اعضاءِ جسم نہیں۔

2: یہ کلمات صفات ہیں۔

3: یہ کلمات صفات متشابہات ہیں

4: ان کلمات تشابہات کے حقیقی معانی ہمیں معلوم نہیں۔

5: ہم ان کلمات کے معانی اور مفاہیم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

6: ان کلمات کے جو معانی بھی ہوں وہ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ فرماتے ہیں:

"فَمَا ذَكَرَ اللهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالْعَيْنِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ وَلَا يُقَالُ إِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نِعْمَتُهُ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدَرِ وَالِاعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهُ صِفَتُهُ بِلَا كَيْفٍ"

(الفقہ الاکبر مع الشرح ص36، 37)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو "وجہ، ید اور عین" کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ کی صفات ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ " ید" سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے، کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے {صفت والا معنی ختم ہو جائے گا} اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے، (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ید اس کی صفت بلا کیف ہے۔

سوال: جب ہم ید کا معنی قدرت یا نعمت کریں گے تو یہ ید صفت ہو گی تو پھر اس میں صفت کا اثبات ہو گا نہ کہ صفت کا ابطال ۔تو یہ کیسے فرمایا کہ صفت باطل ہو جائے گی؟

جواب: ید عضو نہیں کیونکہ اعضاء جسم کے ہوتے ہیں جب اللہ جسم سے پاک ہے تو اعضاء جسم سے بھی پاک ہے۔

اب یقینی بات ہے کہ ید صفت ہے اور ید صفت محکمہ بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ صفت محکمہ تب ہو گی جب اس کا معنی بالکل واضح ہو گا اور جو واضح معنی ہے وہ ہاتھ ہے وہ تو عضو بن جاتا ہے۔ لہذا یہ صفت تشابہ ہو گی اب صفت تشابہ کی دو قسمیں ہیں یا تو غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد ہو ید کا چونکہ لغوی معنی معلوم ہے اس لئے تشابہ کی پہلی قسم نہ ہوئی، یا معلوم المعنی غیر معلوم المراد ہو تو جب ید کا لغوی معنی معلوم ہے تو معلوم المعنی جب ہم اس کا معنی قدرت کریں گے تو مراد بھی معلوم ہو جائے گی تو پھر یہ تشابہ کیسی ہو گی؟ تشابہ کے لیے تو ضروری ہے کہ غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد ہو یا معلوم المعنی اور غیر معلوم المراد ہو تو جب ید کا معنی قدرت ہے تو مراد معلوم ہو گئی تو تشابہ کہاں رہا؟ تو یہ امام صاحب فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر ید کا معنی کا

قدرت کریں گے تو صفت محکمہ بھی نہیں ہے متشابہ کی دونوں قسموں میں شامل نہیں ہے تو صفت ہی باطل ہو جائے گی۔

2: موقف متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ:

یہ کلمات صفات متشابہات ہیں اور ان کے حقیقی معانی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، ہم ان کے معانی میں درجہ ظن میں مناسب مقام تاویل کرتے ہیں۔ مثلاً ید کا معنی قدرت، عین کا معنی حفاظت اور وجہ کا معنی ذات۔

- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (ت 791ھ) لکھتے ہیں:

يُؤَوَّلُ بِتَاوِيْلَاتٍ صَحِيْحَةٍ عَلٰى مَا اخْتَارَهُ الْمُتَاخِّرُوْن دفعاً لِمَطَاعِنِ الْجَاهِلِيْن وجذباً لِضَبْعِ الْقَاصِرِيْن

شرح العقائد النسفیہ ص **169 تحت الصفۃ ولا یجری علیہ زمان**

ترجمہ: متاخرین اھل السنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ جہلاء کے اعتراضات کے جوابات دینے اور ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کے لئے صفات متشابہات میں مناسب تاویل کی جائے گی۔

- علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ الْخَلَفِ تَفْسِيْرُهَا بِمَا يَلِيْقُ بِهٖ تَعَالٰى لِاشْتِهَارِ الْمَذَاهِبِ الْفَاسِدَةِ فِيْ زَمَانِهِمْ وَتَذْلِيْلِ الْمُشَبِّهَةِ عَوَامَ الْمُسْلِمِيْنَ فَفَعَلُوْا ذٰلِكَ حِفْظاً لِلدِّيْنِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص**120**

ترجمہ: علمائے خلف (از اھل السنۃ) کا موقف یہ ہے کہ ان صفات کی ایسی تاویل کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو کیونکہ خلف کے زمانے میں غلط نظریات عام ہو رہے تھے اور فرقہ مشبہہ عامۃ المسلمین کو گمراہ کر رہا تھا، تو خلف حضرات نے صفات کی تاویل اس لیے کی تاکہ لوگوں کے اعتقادات کو فاسد ہونے سے بچایا جاسکے۔

سوال: صفات میں تاویل تو معتزلہ کا قول ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ فرماتے ہیں:

"فَمَا ذَكَرَ اللّٰهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالْعَيْنِ فَهُوَ لَهٗ صِفَاتٌ وَلَا يُقَالُ اِنَّ يَدَهٗ قُدْرَتُهٗ اَوْ نِعْمَتُهٗ لِاَنَّ فِيْهِ اِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْقَدْرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهٗ صِفَتُهٗ بِلَا كَيْفٍ"

(الفقہ الاکبر مع الشرح ص36، 37)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو "وجہ، ید اور عین" کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ کی صفات ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ "ید" سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے، کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے، (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ید اس کی صفت بلا کیف ہے۔

جواب: معتزلہ درجۂ یقین میں جبکہ متاخرین درجۂ ظن میں تاویل کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1 : متقدمین اور متاخرین کے مابین نزاع لفظی ہے کیونکہ متقدمین اھل السنۃ والجماعۃ صفات کے معنی مؤول کو درجہ یقین میں قبول نہیں کرتے ٗ جبکہ متاخرین اھل السنۃ معنیٔ مؤول کو درجہ ٔ ظن میں قبول کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2: بوقتِ ضرورت متشابہات میں تاویل کرنا متاخرین سے ہی نہیں بلکہ بعض متقدمین اھل السنۃ والجماعۃ سے بھی ثابت ہے۔ جیسے:

(1) ''يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ'' کا معنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت68ھ) '' عَنْ شِدَّةٍ'' فرماتے تھے۔

(فتح الباری: ج13 ص524، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ)

(2) امام مجاہد بن جبر المکی رحمہ اللہ (ت103ھ) استوا کا معنی غلبہ فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ﴿اسْتَوَى﴾ عَلَا عَلَى الْعَرْشِ.

(صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿اسْتَوَى﴾ کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہوا۔

(3) امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت150ھ)

قَوْلُهُ: وَلَيْسَ قُرْبُ اللهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيْقِ طُوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلٰكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ.

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

(4) امام ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن یحییٰ بن مبارک اللغوی النحوی (ت237ھ)

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ استوى: استولى.

(غریب القرآن وتفسیرہ: ص243)

ترجمہ: ''اللہ عرش پر مستوی ہوا'' کا معنی ہے کہ عرش کا مالک بنا۔

فائدہ نمبر 3: متاخرین نے یہ موقف عوام الناس کو اہلِ بدعت (مجسمہ، جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم مانتے ہیں) کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کیا، کیونکہ اہلِ بدعت (مجسمہ) ظاہر الفاظ سے عوام کو دھوکا دیتے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء کو ثابت کرتے تھے۔

- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (ت 791ھ) لکھتے ہیں:

يُؤَوَّلُ بِتَاوِيْلَاتٍ صَحِيْحَةٍ عَلٰى مَا اخْتَارَهُ الْمُتَاخِّرُوْن دفعاً لِمَطَاعِنِ الْجَاهِلِيْن وجَذْباً لِضَبْعِ الْقَاصِرِيْن

شرح العقائد النسفیہ ص 169 تحت الصفة ولا يجرى عليه زمان

ترجمہ: متاخرین اھل السنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ جہلاء کے اعتراضات کے جوابات دینے اور ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کے لئے صفات متشابہات میں مناسب تاویل کی جائے گی۔

- امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید المعروف ابن الہمام رحمہ اللہ ت 861ھ فرماتے ہیں :

"هٰذَا التَّاوِيْلُ لِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَرْفِ فَهْمِ الْعَامَّةِ عَنِ الْجِسْمِيَّةِ وَهُوَ يُمْكِنُ اَنْ يُّرَادَ وَلَا يُجْزَمَ بِاِرَادَتِهٖ"

(المسایرۃ مع المسامرۃ لابن الہمام ص 48 الاصل الثامن)

ترجمہ: ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے' عوام کی فہم کو "عقیدۂ جسمیت" سے بچانے کے لئے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم (یقین) نہ کیا جائے۔

- علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ الْخَلَفِ تَفْسِيْرُهَا بِمَا يَلِيْقُ بِهٖ تَعَالٰى لِاشْتِهَارِ الْمَذَاهِبِ الْفَاسِدَةِ فِيْ زَمَانِهِمْ وَتَذْلِيْلِ الْمُشَبِّهَةِ عَوَامَ الْمُسْلِمِيْنَ فَفَعَلُوْا ذٰلِكَ حِفْظاً لِلدِّيْنِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص 120

ترجمہ: علمائے خلف (از اھل السنۃ) کا موقف یہ ہے کہ ان صفات کی ایسی تاویل کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو کیونکہ خلف کے زمانے میں غلط نظریات عام ہو رہے تھے اور فرقہ مشبہہ عامۃ المسلمین کو گمراہ کر رہا تھا، تو خلف حضرات نے صفات کی تاویل اس لیے کی تاکہ لوگوں کے اعتقادات کو فاسد ہونے سے بچایا جاسکے۔

فائدہ نمبر 4: سلف سے مراد 300 ہجری کے آخر تک کے محققین ہیں۔

علامہ شمس الدین عثمان الذہبی رحمہ اللہ ت 748ھ فرماتے ہیں:

"فَالْحَدُّ الْفَاصِلُ بَيْنَ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَاَخِّرِ هُوَ رَاْسُ سَنَةِ ثَلَاثِ مِاَةٍ"

(میزان الاعتدال للامام الذہبی: ج 1 ص 48، مقدمۃ المصنف)

ترجمہ: متقدمین و متاخرین کے درمیان حدِ فاصل تین سو ہجری کا آخر ہے۔

سوال: اگر مجسمہ ید کا معنی ہاتھ لیتے ہیں جو کہ اصل کے خلاف اور غلط ہے ہم نے ان سے بچنے کے لیے ید کا معنی قدرت لے لیا ہے یہ بھی اصل کے خلاف ہے تو یہ بھی غلط ہے تو دونوں خلاف اصل ہو گئے تو پھر تاویل کرنے کا فائدہ کیا ہو گا؟

جواب: ید کا معنی ہاتھ کرنا یہ بالکل خلاف اصل ہے خلاف اصل کا معنی کہ ید کا معنی ہاتھ کریں گے تو عضو ہو گا اور اللہ کے لیے عضو کہیں کسی درجہ ثابت ہی نہیں ہے اور اگر ہم ید کا معنی قدرت کرتے ہیں تو گو یہاں ید کا معنی قدرت کرنا خلاف اصل ہے لیکن یہ معنیٰ ایک اور اصل کے مطابق ہے وہ یہ کہ اللہ کے لیے قدرت تو ثابت ہے اور ہم نے ید کا معنی وہی قدرت کر دیا لیکن کیا درجہ گمان میں ہے نہ کہ درجہ یقین میں۔

3: موقف غیر مقلدین:

ید، عین، ساق وغیرہ کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ چند عبارات ملاحظہ ہوں:

محمد یحییٰ گوندلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحیی گوندلوی؛ ص177)

اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحیی گوندلوی؛ ص179)

دلائل اھل السنۃ والجماعۃ

دلیل نمبر1:

اَللّٰهُ الصَّمَدُ (سورۃ اخلاص:2)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمہ اللہ ت 710ھ فرماتے ہیں:

[اَلَّذِیْ] لَا یَحْتَاجُ اِلٰی اَحَدٍ وَ یَحْتَاجُ اِلَیْهِ کُلُّ اَحَدٍ"

(تفسیر المدارک للامام النسفی ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: صمد کہتے ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالی موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہذا اللہ تعالی جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہیں۔

دلیل نمبر2: متشابہ کی دو قسمیں ہیں:

۱: غیر معلوم المعنی و غیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات الٓمٓ، حٰمٓ، ن وغیرہ۔

۲: معلوم المعنی و غیر معلوم المراد جیسے ''ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔'' (سورۃ حدید:4)

اگر ہم ان کلمات ید، عین وغیرہ سے اعضاء مجہول الکیفیۃ مراد لیں تو متشابہ کی ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم معلوم المعنی معلوم المراد مجہول الکیفیۃ لازم آئے گی' جبکہ تشابہ کی تیسری قسم باطل ہے اور مستلزمِ باطل بھی باطل ہوتا ہے۔

سوال:

تشابہ کی یہ دو قسمیں منصوص نہیں بلکہ اجتہادی ہیں تو اگر تشابہ کی تیسری قسم معلوم المعنی، معلوم المراد، مجہول الکیفیت مان لی جائے تو اس میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟

جواب:

تیسری قسم باطل ہے اس لئے کہ کیفیات ہمیشہ اجسام کی ہوتی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے اور کیفیات جسم سے پاک ہیں، لہذا تیسری قسم ممکن نہیں۔

''فَاِنَّ الَّذِیْ یَجِبُ عَلَیْنَا وَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّعْلَمَهٗ اَنَّ رَبَّنَا لَیْسَ بِذِیْ صُوْرَةٍ وَّلَا هَیْئَةٍ فَاِنَّ الصُّوْرَةَ تَقْتَضِی الْکَیْفِیَّةَ وَهِیَ عَنِ اللّٰهِ وَعَنْ صِفَاتِهٖ مَنْفِیَّةٌ۔''

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2 ص21، باب ما ذکر فی الصورۃ)

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے' وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا۔ کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کیفیات سے پاک ہیں ۔

دلیل نمبر3:

معنی جنس، نوع کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ ''ید'' جو کہ اسم جنس ہے کا معنی ''جارحہ'' کام کرنے والا ہے جو کہ بالاتفاق حادث ہے۔ اگر ''ید اللہ'' سے بھی یہی معنی مراد ہو تو ''ید'' جو کہ صفت باری ہے، کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ ''ید اللہ'' جو کہ صفت باری ہے، قدیم ہے۔

دلیل نمبر4:

ان کلمات کے حقیقی معنی مگر مجہول الکیفیۃ مراد لینے سے تناقض اور تضاد لازم آئے گا کیونکہ حقیقی معنی مجہول الکیفیۃ نہیں بلکہ معلوم الکیفیۃ ہے۔ تناقض باطل ہوتا ہے اور جو مستلزمِ باطل ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔

فائدہ: تناقض کا معنی دو چیزوں کا یا دو چیزوں کے مفہوم کا ایک دوسرے کے خلاف ہونا۔

دلیل نمبر5:

اگر ان کلمات "ید، عین، وجہ، ساق" وغیرہ کے لئے کیفیات ثابت کر دی جائیں اگرچہ مجہول ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالی کے لئے جسم لازم آئے گا' کیونکہ کیفیات اجسام کے ساتھ خاص ہیں۔

امام ابو القاسم ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری اللالکائی (ت418ھ) اپنی سند کے ساتھ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ ت189ھ سے نقل کرتے ہیں:

:إِتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ عَلَى الْإِيمَانِ بِالْقُرْآنِ وَالْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَ بِهَا الثِّقَاتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صِفَةِ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ غَيْرِ تَغْيِيرٍ وَلَا وَصْفٍ وَلَا تَشْبِيهٍ، فَمَنْ فَسَّرَ الْيَوْمَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ , فَقَدْ خَرَجَ مِمَّا كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ، فَإِنَّهُمْ لَمْ يَصِفُوا وَلَمْ يُفَسِّرُوا، وَلٰكِنْ أَفْتَوْا بِمَا فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ ثُمَّ سَكَتُوا،

(شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ للالکائی: ج1ص354،355رقم الفقرۃ 740)

ترجمہ: امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشرق سے لے کر مغرب تک تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی کی صفات سے متعلق قرآن کریم اور ثقات راویوں سے مروی احادیث مبارکہ میں جو نصوص آئی ہیں ان پر بغیر کسی تبدیلی ،بغیر کیفیت بیان کئے اور بغیر تشبیہ کے ایمان لانا ضروری ہے۔ جو شخص ان صفات کا {حتمی} معنی بیان کرے گا تو وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی شریعت سے ہٹ گیا ۔اور سواد اعظم سے الگ ہو گیا۔ اس لئے کہ اسلاف نہ تو ان صفات کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی تفسیر کرتے ہیں بلکہ جو کچھ قرآن اور سنت میں ہے ہے اسی کو بیان کر کے کے {ان کی تشریح کے بارے} خاموش ہو جاتے ہیں ۔

امام ابو القاسم ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری اللالکائی (ت418ھ) ایک اور سند سے امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ ت189ھ سے احادیث ھبوط کے متعلق یہ موقف نقل کرتے ہیں:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ، فِي الْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَتْ: «إِنَّ اللَّهَ يَهْبِطُ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا» وَنَحْوَ هَذَا مِنَ الْأَحَادِيثِ: إِنَّ هٰذِهِ الْأَحَادِيثَ قَدْ رَوَتْهَا الثِّقَاتُ، فَنَحْنُ نَرْوِيهَا وَنُؤْمِنُ بِهَا وَلَا نُفَسِّرُهَا.

(شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ للالکائی: ج1ص355رقم الفقرۃ 741)

ترجمہ: امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ احادیث جنہیں ثقہ راویوں نے نقل کیا اور ان میں اللہ تعالی کے لئے نزول وغیرہ ثابت ہوتا ہے تو ہم بھی ان روایات کو نقل کرتے ہیں، ان پہ ایمان لاتے ہیں اور ان کی تفسیر نہیں کرتے۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) فرماتے ہیں:

"فَإِنَّ الَّذِيْ يَجِبُ عَلَيْنَا وَعَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَّعْلَمَهٗ اَنَّ رَبَّنَا لَيْسَ بِذِيْ صُوْرَةٍ وَلَا هَيْئَةٍ فَإِنَّ الصُّوْرَةَ تَقْتَضِي الْكَيْفِيَّةَ وَهِيَ عَنِ اللهِ وَعَنْ صِفَاتِهٖ مَنْفِيَّةٌ۔" (کتاب الاسماء والصفات للبیھقی ج 2 ص 21، باب ما ذکر فی الصورۃ)

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے' وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا۔ کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کیفیات سے پاک ہیں۔

دلیل نمبر 6:

اللہ تعالیٰ چونکہ جسم سے پاک ہیں لہٰذا اعضاء سے بھی پاک ہیں اس لئے کہ اعضاء ہمیشہ جسم کے ہوتے ہیں تو جب جسم ہی نہیں ہے تو اعضاء بھی نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے جسم سے پاک ہونے پہ دلائل:

دلیل نمبر 1: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے کیونکہ جسم ہمیشہ دو یا دو سے زائد چیزوں سے مرکب ہوتا ہے اور مرکب وہ ہوتا ہے کہ پہلے دو مفرد ہوں پھر ملیں تو مرکب بن جائے تو مرکب پہلے نہیں ہوتا بعد میں بنتا ہے جو پہلے نہ ہو اور بعد میں بنے اسے حادث کہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تو قدیم ہے حادث نہیں ہے۔

دلیل نمبر 2: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لئے کہ جسم جتنا بھی بڑا ہو وہ ایک جگہ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اس کی حد ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے لہذا جسم سے پاک ہے۔

دلیل نمبر 3: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لئے کہ جسم کی ایک خاص جہت ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ جہات سے پاک ہے تو جسم سے بھی پاک ہے۔

دلیل نمبر 4: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں اس لیے کہ جسم کو خاص مکان چاہیے جبکہ اللہ تعالیٰ خاص مکان سے پاک ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ خاص مکان سے پاک ہیں اس پر کئی دلائل موجود ہیں۔

1: مکان محیط اور مکین محاط ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کو کسی خاص مکان میں مانیں تو اللہ تعالیٰ کا محاط ہونا لازم آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں۔

2: مکان بڑا مکین چھوٹا ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کو کسی خاص مکان میں مانیں تو اللہ تعالیٰ کا مکان سے چھوٹا ہونا لازم آئے گا جبکہ

اللہ پاک سے بڑے ہیں۔

اشکال: امام مالک بن انس رحمہ اللہ ت 179ھ سے جب استواء کے متعلق پوچھا گیا

لَمَّا سُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى {ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ} كَيْفَ اسْتَوَى؟

توانہوں نے فرمایا: اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْكَيْفُ مَجْهُوْلٌ وَالْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ۔

(شرح العقیدہ الطحاویہ لابن ابی العز ج1 ص188 ، الرد علی الجھمیۃ لابن مندہ: ص104)

ترجمہ: استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے استواء ثابت کر کے مجہول الکیفیت قرار دیا ہے لہذا صفات باری کے حقیقی معنیٰ مراد لے کر مجہول الکیفیت قرار دینا درست ہے۔

جواب: یہ مقولہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں۔

یہ شیخ عماد الدین احمد حیدر؛ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الاسماء والصفات'' پر اپنی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وأما ما يروى عنه أنه قال: "الاستواء معلوم والكيفية مجهولة" فهذا لم يثبت عن مالك ولا غيره من الأئمة.

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات: ج2 ص151)

ترجمہ: یہ بات جو بیان کی جاتی ہے کہ ''استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے'' یہ امام مالک بن انس بلکہ کسی بھی امام سے ثابت نہیں۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ) نے ''کتاب الاسماء والصفات'' میں اور حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت852ھ) نے ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں بسند جید امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول نقل کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَهْبٍ، يَقُوْلُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! " اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى " كَيْفَ اسْتِوَاؤُهٗ؟ قَالَ: فَأَطْرَقَ مَالِكٌ وَأَخَذَتْهُ الرُّحَضَاءُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ: " اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى " كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ، وَلَا يُقَالُ: كَيْفَ، وَكَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوْعٌ، وَأَنْتَ رَجُلُ سُوْءٍ صَاحِبُ بِدْعَةٍ، أَخْرِجُوْهُ. قَالَ: فَأُخْرِجَ الرَّجُلُ.

کتاب الاسماء والصفات: ج2 ص150، فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13 ص498 باب وکان عرشہ علی الماء

ترجمہ: امام عبد اللہ بن وھب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ

ایک آدمی آیا۔اس نے امام مالک سے کہا:اے ابو عبد اللہ! رحمٰن عرش پر مستوی ہے،اس کا استواء کیسے ہے؟ ابن وہب فرماتے ہیں کہ امام مالک نے سر جھکالیااور آپ کو پسینہ آگیا۔پھر آپ نے اپنا سر اٹھایااور فرمایا: رحمٰن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے،یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ (یعنی کیفیت کی نفی کی جائے) اور اللہ تعالیٰ سے کیفیت مرفوع ہے (یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا)اور تو برااور بدعتی آدمی ہے۔پھر حاضرین سے فرمایا:اسے نکال دو۔چنانچہ اسے باہر نکال دیا گیا۔

اسی طرح امام ابو بکر بیہقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہما اللہ نے ولید بن مسلم کے طریق سے نقل کیا ہے:

عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ، قَالَ: سُئِلَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمَالِكٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَتْ فِي التَّشْبِيهِ فَقَالُوا: أَمِرُّوهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ.

کتاب الاسماء والصفات: ج2ص198، فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج13ص498 باب وکان عرشہ علی الماء

ترجمہ: ولید بن مسلم فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی، امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام لیث بن سعد سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ کی صفات کا بیان ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ: یہ احادیث جیسے منقول ہیں ویسے ہی کیفیت کے بغیر بیان کرو۔

تو امام مالک رحمہ اللہ سے مروی درج بالا روایات میں "کیف" کی باقاعدہ نفی ہے۔

مکالمہ:

ایک شخص نے میرے سامنے یہی امام مالک رحمہ اللہ کا قول پیش کر کے سوال کیا۔

میں نے پوچھا کیا تم بدعتی ہو؟

اس نے کہا نہیں۔

میں نے کہا امام مالک رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ استوا کے بارے سوال کرنا بدعت ہے یا خود کو بدعتی کہو یا سوال ہی نہ کرو!

اشکال: جب اللہ تعالیٰ مشابہاتِ مخلوق سے پاک ہیں تو قرآن و حدیث میں ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے گئے جو انسان کو وہم میں ڈال دیتے ہیں؟

جواب: امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد تمیمی المعروف ابن الجوزی (ت 597ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْخَلْقَ غَلَبَ عَلَيْهِمُ الْحِسُّ فَلَا يَكَادُونَ يَعْرِفُونَ غَيْرَهُ وَسَبَبُهُ الْمُجَانَسَةُ لَهُمْ فِي الْحَدِيثِ فَعَبَدَ قَوْمٌ النُّجُومَ وَأَضَافُوا إِلَيْهَا الْمَنَافِعَ وَالْمَضَارَ وعَبَدَ قَوْمٌ النُّوَرَ وَأَضَافُوا إِلَيْهِ الْخَيْرَ وَأَضَافُوا الشَّرَّ إِلَى الظُّلْمَةِ وَعَبَدَ قَوْمٌ الْمَلَائِكَةَ وَقَوْمٌ الشَّمْسَ و قَوْمٌ عِيسٰى وَقَوْمٌ عُزَيْرَ وَعَبَدَ قَوْمٌ الْبَقَرَ وَالْأَكْثَرُونَ

الْأَصْنَامَ فَآنَسَتْ نُفُوْسُهُمْ بِالْحِسِّ الْمَقْطُوْعِ بِوُجُوْدِهٖ وَلِذٰلِكَ قَالَ قَوْمُ سَيِّدِنَا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ! ﴿اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا﴾ فَلَوْ جَاءَتِ الشَّرَائِعُ بِالتَّنْزِيْهِ الْمَحْضِ جَاءَتْ بِمَا يُطَابِقُ النَّفْيَ فَلَمَّا قَالُوْا: صِفْ لَنَا رَبَّكَ! نَزَلَتْ ! ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ وَلَوْ قَالَ لَهُمْ: لَيْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرْضٍ وَلَا طَوِيْلٍ وَلَا عَرِيْضٍ وَلَا يَشْغُلُ الْاَمْكِنَةُ وَلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السِّتِّ وَلَيْسَ بِمُتَحَرِّكٍ وَلَا سَاكِنٍ وَلَا يُدْرِكُهُ الْإِحْسَاسُ لَقَالُوْا: حُدَّ لَنَا النَّفْيَ بِأَنْ تُمَيِّزَ مَا تَدْعُوْنَا إِلٰى عِبَادَتِهٖ عَنِ النَّفْيِ وَإِلَّا فَأَنْتَ تَدْعُوْ إِلٰى عَدَمٍ.

(دَفْعُ شُبَهِ التَّشْبِيْهِ لابن الجوزی: ص11)

ترجمہ: انسانی طبیعت پر محسوسات اتنے غالب ہو گئے تھے کہ لوگ محسوسات کے بغیر (اِلٰہ کو) سمجھ ہی نہ پاتے تھے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان کی گفتگو میں اِلٰہ کا تذکرہ محسوسات کی بنا پر ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے ستاروں کی پرستش کی اور انہیں نفع و نقصان کا مالک قرار دیا۔ کچھ لوگوں نے نور کی پرستش کی اور اسے خیر کا مالک جبکہ ظلمت کو شر کا مالک قرار دیا۔ کسی نے فرشتوں کی، کسی نے سورج کی، کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی، کسی نے حضرت عُزیر علیہ السلام کی، کسی نے گائے کی اور کئی لوگوں نے توبتوں کی پرستش کی۔ اس لیے طبائع انسانی حسی اِلٰہ کے وجود کے ساتھ ہی مانوس ہو کر رہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے (ان سے) کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایسا معبود بنایئے جس طرح ان لوگوں کے معبود ہیں۔ اگر شریعت میں اِلٰہ کے خواص کو تنزیہ محض کی صورت میں بیان کیا جاتا تو صفات کو نافیہ ہی لایا جاتا۔ چنانچہ جب مشرکین نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ آپ اپنے رب کی صفات بیان کیجیے (کہ وہ کیسا ہے؟) تو ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' نازل ہوئی کہ کہہ دیجیے اللہ ایک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ (صفاتِ نافیہ ذکر کرتے ہوئے) یہ فرما دیتے کہ ''وہ نہ جسم ہے، نہ جوہر، نہ طویل، نہ عریض، نہ امکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہات ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے، نہ ہی وہ متحرک ہے، نہ ساکن ہے، نہ ہی حواس کے ذریعہ اس کی حقیقت کا ادراک کیا جا سکتا ہے'' تو مشرکین کہہ اٹھتے کہ آپ اس ''نہ ہونے والی ذات'' (مطلب کہ یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں، تو وہ نہ ہونے والی ذات ہے کیا؟) کی تعریف تو کریں تاکہ آپ صفاتِ منفیہ بیان کر کے جس ذات کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں وہ واضح تو ہو ورنہ یہ تو ایسا ہے کہ آپ ہمیں معدوم کی عبادت کی طرف بلا رہے ہیں۔

استواء علی العرش، این اللہ، معیّت ذاتیہ

موقف اھل السنت والجماعت:

''استواء علی العرش'' اللہ تعالیٰ کی صفت متشابہ ہے جس کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور قرآن مجید میں اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیھقی رحمہ اللہ ت 458ھ فرماتے ہیں:

فَأَمَّا الْاِسْتِوَاءُ فَالْمُتَقَدِّمُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا كَانُوْا لَا يُفَسِّرُوْنَهٗ وَلَا يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ.

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص150)

ترجمہ: رہا استواء کا عقیدہ تو ہمارے متقدمین حضرات نہ اس کی تفسیر کرتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی کلام فرماتے تھے۔

سوال:

متقدمین حضرات عقیدہ استویٰ علی العرش میں کلام نہیں کرتے تو پھر ہم کلام کیوں کر رہے ہیں؟ ہمارا طریقہ بظاہر متقدمین کے طرز کے خلاف ہے۔

جواب:

کلام نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ متقدمین حضرات استواء علی العرش کا معنی بیان نہیں کرتے بلکہ اسے متشابہ سمجھ کر اس کا معنی اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور جب ہم جب اس پر گفتگو کرتے ہیں تو اس کا معنیٰ بیان کرنے کے لئے نہیں کرتے بلکہ مخالفین جب اس کا معنی بیان کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم اُن کا جواب دینے کے لئے اس پر کلام کرتے ہیں۔ جس طرح متاخرین اھل السنۃ والجماعۃ نے صفات متشابہات کا معنیٰ درجہ ظن میں بیان کیا تاکہ امت کو فرقہ مجسمہ کے غلط عقیدے سے بچایا جا سکے اسی طرح ہم بھی استواء علی العرش پر گفتگو کرتے ہیں تاکہ امت کو مخالفین کے غلط عقیدے سے بچایا جا سکے۔

موقف غیر مقلدین:

استواء علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً فوق العرش ہونا مراد ہے۔

1. علامہ محمد بن خلیل ہراس ت 1975ء لکھتے ہیں:

وَالصَّحِيْحُ فِي الْكُرْسِيِّ أَنَّهٗ غَيْرُ الْعَرْشِ، وَأَنَّهٗ مَوْضِعُ الْقَدَمَيْنِ، وَأَنَّهٗ فِي الْعَرْشِ كَحَلَقَةٍ مُلْقَاةٍ فِي فَلَاةٍ.

شرح العقیدۃ الواسطیۃ ص72

ترجمہ: صحیح بات یہ ہے کہ عرش الگ چیز کا نام ہے اور کرسی الگ چیز کا اور کرسی اللہ تعالیٰ کے قدموں کی جگہ ہے اور کرسی عرش کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے کسی میدان میں انگوٹھی رکھی ہو۔

2. پروفیسر طالب الرحمٰن شاہ صاحب لکھتے ہیں:

سوال: اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟---------------------------------------جواب: اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔

(آیئے عقیدہ سیکھئے: ص50)

3. غیر مقلد عالم محمد یحییٰ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے مگر معتزلہ اور ان کے ہم نوا احناف وغیرہ اللہ تعالیٰ کا مستوی علی العرش ہونا حقیقی معنوں میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ دیگر صفات کی طرح استواء کی بھی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ استواء کا معنیٰ: استیلاء یعنی غلبہ ہے۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ گوندلوی: ص220)

فائدہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے۔

اگر کوئی شخص سوال کرے "اَیْنَ اللہُ؟" (اللہ کہاں ہے؟) تو اس کا جواب یہ دینا چاہیے: "هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا جِسْمٍ وَّ مَكَانٍ وَّجِهَةٍ" کہ اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے۔ یہ اھل السنت والجماعت کا موقف و نظریہ ہے جس پر دلائلِ نقلیہ وعقلیہ موجود ہیں۔

فائدہ نمبر 2: "هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا جِسْمٍ وَّ مَكَانٍ وَّجِهَةٍ" یہ تعبیر اہل علم حضرات کی ہے، اسی لیے طلباء وعلماء کو سمجھانے کے لیے "اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے" کہہ دیا جاتا ہے۔ عوام الناس چونکہ ان اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اس لیے اس عقیدہ کو عوامی ذہن کے پیش نظر "اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے" یا "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 3: موجود بلا مکان اور موجود فی کل مکان میں فرق سمجھیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو موجود بلا مکان یعنی ہر جگہ موجود مانتے ہیں، موجود فی کل مکان یعنی ہر جگہ میں موجود نہیں مانتے۔ ہماری تعبیر موجود بلا مکان کی ہے، موجود فی کل مکان کی نہیں۔ اشکالات موجود فی کل مکان پر لازم آتے ہیں، موجود بلا مکان پر لازم نہیں آتے۔

فائدہ نمبر 4: جب ہم کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے" تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب جگہ نہیں تھی اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھے اور جب جگہ ہے اللہ تعالیٰ اب بھی موجود ہیں اور جب جگہ نہیں ہو گی تو اللہ تعالیٰ تب بھی موجود ہوں

گے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جگہ پر نہیں ہے بلکہ فوق، تحت، قدام ،خلف، یمین، شمال، عرش، فرش، سماء، ارض، مکان، خلاء حتی کہ کوئی ذرہ ایسا نہیں جہاں اللہ پاک موجود نہ ہوں۔ اس وضاحت کو سامنے رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مکان میں ہونے پر اعتراضات کبھی نہیں ہوں گے اس لیے کہ اعتراضات تب ہوں گے جب اللہ تعالیٰ کو کسی خاص مکان میں مانیں ہم تو اللہ تعالیٰ کو بغیر خاص مکان کے مانتے ہیں کہ جب مکانات نہیں تھے تب بھی تھے جب مکانات ہیں اب بھی ہیں اور جب مکانات نہیں ہوں گے اللہ تعالیٰ تب بھی ہوں گے۔

فائدہ نمبر5: عوامی ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے جو تعبیر اختیار کی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے'' یہ تعبیر بظاہر اصل سے ہٹ کر ہے لیکن ایسی تعبیرات اختیار کرنا شریعت کے مخالف نہیں بلکہ ثابت ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ت1176ھ فرماتے ہیں:

ان الشارع لم يخاطبهم إلا على ميزان العقل المودع فی أصل خلقتهم قبل أن يتعانوا دقائق الحكمة والكلام والأصول، فأثبت لنفسه جهة فقال: (الرحمن على العرش استوى)

حجۃ اللہ البالغۃ باب التیسیر

ترجمہ: اصول، حکمت اور علم الکلام میں غور و فکر کرنے سے پہلے فطری طور پر جو لوگوں کو عقل دی گئی تھی شارع نے لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات فرمائی ہے چنانچہ اللہ پاک نے اپنی ذات کے لئے جہت ثابت کرتے ہوئے ''الرحمان علی العرش استوی'' فرمایا۔

یعنی اللہ پاک خاص جہت سے پاک ہیں لیکن انسانی عقل کے مطابق استوا علی العرش کی بات فرمائی ہے۔

اور یہی طرز قرآن و سنت میں بھی موجود ہے مثلاً

1: قرآن مجید میں جنت کے بارے ارشاد ہے: ﴿ **وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ** ﴾

(آل عمران: 133)

ترجمہ: اپنی رب سے مغفرت طلب کرنے کے لئے اور اس جنت کی طرف جانے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو جس کی چوڑائی آسمان و زمین جتنی ہے۔

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ ت1976ء اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''جنت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی وسعت اس قدر ہے جتنا سارا آسمان و زمین ہے۔ انسان کے دماغ میں آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ اور کوئی وسعت آ ہی نہیں سکتی اس لئے سمجھانے کے لئے جنت کے عرض کو اس سے تشبیہ دی، گویا بتلادیا کہ جنت بہت وسیع ہے اس کے

عرض میں سارے زمین و آسمان سما سکتے ہیں۔"

(معارف القرآن ج2 ص182،183)

2: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ."

(سنن ابن ماجہ: باب القبلۃ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

تنبیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم مدینہ منورہ والوں کے لیے بیان فرمایا کیونکہ ان کا قبلہ جنوب کو پڑتا ہے تو مشرق اور مغرب کے درمیان جنوب ہو گا۔

دلائل اھل السنۃ والجماعۃ

دلیل نمبر1:

وَاللّٰهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ. (سورۃ البقرۃ:19)

ترجمہ: اور اللہ کافروں کا احاطہ کرنے والے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت1362ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس میں دلیل ہے قولِ صوفیہ کی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کو ذاتاً محیط ہے بدون اتصال اور کسی کیفیت کے نہ محض علم ہی سے محیط ہے۔"

(تفسیر بیان القرآن: ج1 ص22)

دلیل نمبر2:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (سورۃ البقرۃ: 115)

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، تم جس طرف رخ کرو ادھر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

دلیل نمبر3:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ (سورۃ البقرۃ: 186)

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔

فائدہ: عرش بعید ہے کیونکہ ہمارے اوپر سات آسمان ہیں، ان پر کرسی ہے، کرسی پر سمندر ہے، سمندر کے اوپر عرش ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

بَيْنَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَالَّتِيْ تَلِيْهَا خَمْسُمِائَةِ عَامٍ وَبَيْنَ كُلِّ سَمَاءٍ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ ....وَبَيْنَ السَّابِعَةِ وَبَيْنَ الْكُرْسِيِّ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ وبين الْكُرْسِيِّ وَبَيْنَ الْمَاءِ خمسمائة عام والعَرْشُ فَوْقَ الْمَاءِ واللهُ فَوْقَ الْعَرْشِ وَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَعْمَالِكُمْ.

(عمدۃ القاری لبدر الدین محمود بن احمد العینی ت855ھ: ج16ص622 کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء،
فتح الباری لابی الفضل احمد بن علی المعروف ابن حجرت852ھ: ج13ص506 باب وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: زمین سے پہلے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے پھر ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے، ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، کرسی اور سمندر کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ عرش سمندر کے اوپر ہے اور اللہ تعالی عرش پہ مستوی ہیں، تمہارا کوئی عمل اللہ سے پوشیدہ نہیں۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ (سورۃ الطلاق: 12)

۲: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 255)

۳: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ﴾ (سورۃ ھود: 7)

تنبیہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرمان " واللهُ فَوْقَ الْعَرْشِ " سے مراد فوق حسی نہیں بلکہ رتبی ہے۔

سوال: یہاں قرب سے مراد قرب علمی ہے نہ کہ قرب ذاتی۔

جواب1: سوال ذات کے بارے میں ہے نہ کہ علم اور قدرت کے بارے میں۔ اگر قرب ذاتی مراد لیں تو جواب سوال کے مطابق ہو گا اور اگر علم مراد لیں تو جواب سوال کے مطابق نہیں ہو گا۔

جواب2: اللہ تعالی کی ذات اور صفات میں تلازم ہے جہاں ذات ہے وہاں صفت، جہاں صفت ہے وہاں ذات جب قرب علمی ہو گا تو قرب ذاتی ضرور ہو گا۔

1: علامہ ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر شیرازی البیضاوی رحمہ اللہ ت685ھ لکھتے ہیں:

تَجُوْزٌ بِقُرْبِ الذَّاتِ لِقُرْبِ الْعِلْمِ لِأَنَّهُ مُوْجِبُهُ□

(تفسیر البیضاوی: ج2ص422)

ترجمہ: قرب علمی کی وجہ سے قرب ذاتی مراد لینا بھی درست ہے کیونکہ قرب علمی کو قرب ذاتی لازم ہے۔

2: علامہ ابوالعباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی رحمہ اللہ ت 1224ھ لکھتے ہیں:

إِذِ الصِّفَةُ لَا تُفَارِقُ الْمَوْصُوفَ فَإِذَا كَانَتِ الْمَعِيَّةُ بِالْعِلْمِ لَزِمَ أَنْ تَكُونَ بِالذَّاتِ

(البحر المدید: ج7 ص311)

ترجمہ: { اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہیں } اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت موصوف سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ جب اللہ کی معیت علم کے ساتھ ہو تو ذات کے اعتبار سے معیت ضرور ہو گی۔

3: قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ت 1323ھ فرماتے ہیں:

" مَعَكُمْ " علم سے معیت تعبیر کرنا کچھ حاجت نہیں "هُوَ" ضمیر ذات ہے جہاں علم وہاں ذات۔ پس تکلف کی کیا حاجت ہے۔

(مکاتیب رشیدیہ ص42)

جواب 3: غیر مقلدین کے ہاں صفات کو بغیر تاویل کے ماننا چاہئے ان میں تاویل کرنا جائز نہیں۔

پروفیسر طالب الرحمٰن شاہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی صفات کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے کسی تاویل، کیفیت، تعطیل اور تمثیل کے بغیر ایمان لانا چاہئے۔"

(آیئے عقیدہ سیکھئے: ص33)

دلیل نمبر 4:

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ۔ (النساء:108)

ترجمہ: یہ لوگ لوگوں سے تو شرماتے ہیں اور اللہ پاک سے نہیں شرماتے حالانکہ جب وہ رات کو ایسی بات کا مشورہ کرتے ہیں جس بات کو اللہ پاک پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

دلیل نمبر 5

﴿وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ﴾

(سورۃ الانعام: آیت 3)

ترجمہ: وہ اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمینوں میں بھی ہے تمہاری پوشیدہ اور ظاہری باتوں کو جانتا ہے اور جو تم کرتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔

دلیل نمبر 6:

اِنَّ رَبِّیۡ قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ (ہود: 61)

ترجمہ: بے شک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔

فائدہ: ''قریب'' سے مراد ذات ہے کیونکہ علمی قرب تو مجیب سے واضح ہے۔

دلیل نمبر 7:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (النحل: 128)

ترجمہ: بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور نیکی کرنے والے ہیں۔

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ت 1225ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فَاللهُ مَعَهُمْ بِالْوِلَايَةِ وَالْفَضْلِ وَالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَمَعِيَّةٌ ذَاتِيَةٌ لَا كَيْفَ لَهَا

(التفسیر المظہری ج5 ص392)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دوستی، فضل و کرم، مدد و نصرت کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے اور یہ معیت ذاتی ہے جس کی کوئی کیفیت نہیں۔

دلیل نمبر 8:

وَاِنِ اهۡتَدَیۡتُ فَبِمَا یُوۡحِیۡۤ اِلَیَّ رَبِّیۡ ؕ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ (سبا: 50)

ترجمہ: اور اگر میں صحیح راستے پر ہوں تو یہ اس قرآن کی وجہ سے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے وہ سب کچھ سنتا ہے، بہت قریب ہے۔

دلیل نمبر 9:

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡکُمۡ وَلٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ

(سورہ واقعہ: 85)

ترجمہ: تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ ت 1396ھ لکھتے ہیں:

یہاں ''نَحْنُ'' (ہم) سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔

(معارف القرآن: ج8 ص288)

دلیل نمبر 10:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورہ ق:16)

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

علامہ ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر شیرازی البیضاوی (ت 685ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تَجُوْزُ بِقُرْبِ الذَّاتِ لِقُرْبِ الْعِلْمِ لِأَنَّهُ مُوْجِبُهُ

(تفسیر البیضاوی: ج2 ص422)

ترجمہ: اس مقام پر قرب علمی کی وجہ سے قرب ذاتی مراد لینا بھی درست ہے کیونکہ قرب علمی کو قرب ذاتی لازم ہے۔

علامہ علی بن احمد بن ابراہیم المہایمی الہندی (ت 835ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ﴾ لَا بِالْمَكَانِ وَلَا بِالزَّمَانِ وَلَا بِالرُّتْبَةِ بَلْ بِالذَّاتِ مِنْ غَيْرِ اخْتِلَاطٍ وَلَا حُلُوْلٍ وَلَا اتِّحَادٍ

(تفسیر تبصیر الرحمٰن: ج2 ص293)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} اللہ کا یہ قرب مکان، زمان اور رتبہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ ذات کے اعتبار سے ہے لیکن یہ قرب اختلاط، حلول اور اتحاد کے بغیر ہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی (ت 1224ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ أَيْ: أَنَا أَقْرَبُ إِلٰى كُلِّ أَحَدٍ مِنْ عُرُوْقِ قَلْبِهٖ، وَهٰذَا لِأَنَّ قِيَامَ الْفِعْلِ بِالصِّفَاتِ، وَالصِّفَاتُ لَا تُفَارِقُ الذَّاتَ، فَالْقُرْبُ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ، وَتَسْتَلْزِمُ الْقُرْبَ بِالذَّاتِ

(البحر المدید: ج7 ص177)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} یعنی میں (اللہ) ہر شخص کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل (یعنی قریب ہونے) کا قیام صفات کے ذریعے ہوتا ہے اور صفات؛ ذات سے جدا نہیں ہوتیں۔ تو یہاں جو قرب ہے وہ علم اور قدرت (صفات) کے اعتبار سے ہے جو قرب ذاتی کو مستلزم ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ت 1362ھ نے اس کی بڑی عجیب توجیہ فرمائی ہے، فرماتے

ہیں:

''مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن آخر میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں، پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے۔ اور یہی حاصل تھا تمہارے ساتھ بنسبت تمہاری جان ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا۔ یہ بہت موٹی بات ہے کہ کوئی قیل و قال کی گنجائش نہیں۔''

(خطباتِ حکیم الامت: ج17 ص431 عنوان: اقربیت کا مفہوم)

دلیل نمبر 11:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورہ حدید: 4)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو، وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی (ت 1224ھ) اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْإِحَاطَةِ الذَّاتِيَّةِ □

(البحر المَدِید: ج7 ص309)

ترجمہ: {تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے} یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم، قدرت اور احاطہ ذاتی کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے۔

علامہ الفاسی مزید لکھتے ہیں:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ بِذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ عَلٰى مَا يَلِيْقُ بِجَلَالِ قُدْسِهٖ وَ كَمَالِ كِبْرِيَائِهٖ ؛ إِذِ الصِّفَةُ لَا تُفَارِقُ الْمَوْصُوْفَ فَإِذَا كَانَتِ الْمَعِيَّةُ بِالْعِلْمِ لَزِمَ أَنْ تَكُوْنَ بِالذَّاتِ، فَافْهَمْ، وَسَلِّمْ إِنْ لَمْ تَذُقْ.

(البحر المدید: ج7 ص311)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو اللہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے جیسا کہ اس کی عظمتِ شان اور کمال کبریائی کے لائق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت موصوف سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ جب اللہ کی معیت علم کے ساتھ ہو تو ذات کے اعتبار سے معیت ضرور ہو گی۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے اور اگر ذوق (سلیم) نہ ہو تو (خدا کے) سپرد کر دیجیے!

دلیل نمبر 12:

مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوَىٰ ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا.

(سورۃ المجادلۃ:7)

ترجمہ: کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (اللہ) نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

دلیل نمبر13:

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ (سورہ ملک:16)

ترجمہ: کیا تم کو اس (اللہ تعالیٰ) کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا۔

دلیل نمبر14:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا إِلٰى سَفَرٍ كَبَّرَ ثَلَاثًا قَالَ: "سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، اَللّٰهُمَّ نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَنَا، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ."

(صحیح مسلم ج ا ص ۴۳۴ باب استحباب الذکر اذا رکب دابۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں سفر پر جانے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے: پاک ہے وہ پروردگار جس نے اس جانور (سواری) کو ہمارے تابع کر دیا اور ہم اس کو دبا نہ سکتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانے والے ہیں۔ یااللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی، پرہیزگاری اور ایسے کام جسے تو پسند کرے، کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی لمبان کو ہم پر تھوڑا کر دے۔ یااللہ! تو رفیق ہے سفر میں اور محافظ ہے گھر میں۔

دلیل نمبر15:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ! قَالَ: يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟ قَالَ: "اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ! اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِيْ عِنْدَهٗ!"

(صحیح مسلم ج2 ص318 باب فضل عیادۃ المریض، صحیح ابن حبان ص189، رقم الحدیث269)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ بندہ کہے گا میں آپ کی بیمار پرسی عیادت کیسے کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ تو اللہ فرمائیں گے کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا' تو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی۔ تجھے پتا ہے کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے وہاں پاتا۔

دلیل نمبر16:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ."

(جامع الترمذی: ج2 ص14 باب ماجاء فی رحمۃ الناس)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رحم کرنے والے پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے، غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ صرف عرش پر ہے، اس سے باطل ہو گیا۔

دلیل نمبر17:

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "مَنِ اشْتَكٰى مِنْكُمْ شَيْئًا اَوِ اشْتَكَاهُ اَخٌ لَّهٗ فَلْيَقُلْ: رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ، تَقَدَّسَ اسْمُكَ، اَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ، اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ، اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ فَيَبْرَاُ."

(سنن ابی داؤد: ج2 ص187 باب کیف الرقی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے: تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا کوئی دوسرا بھائی اس سے اپنی بیماری بیان کرے تو یہ کہے کہ رب ہمارا وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے۔ اے اللہ! تیرا نام پاک ہے اور تیرا اختیار زمین و آسمان میں ہے' جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں رحمت کر۔ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے۔ تو پاک لوگوں کا رب ہے۔ اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاؤں میں سے ایک شفاء اس درد کے لیے نازل فرما کہ یہ درد جاتا رہے۔

دلیل نمبر 18:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَأَصْحَابُهُ... ثُمَّ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ إِلَى الْأَرْضِ السُّفْلَى لَهَبَطَ عَلَى اللهِ."

(سنن الترمذی: ج2 ص165 تفسیر سورۃ حدید)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف فرما تھے..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھا کر فرمایا: اگر تم ایک رسی سب سے نیچے والی زمین پر ڈالو تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جائے گی۔

فائدہ: رسی کا زمین کے نیچے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا دلیل ہے کہ ذات باری تعالیٰ صرف عرش پر نہیں جیسا کہ غیر مقلدین کا عقیدہ ہے بلکہ ہر کسی کے ساتھ موجود ہے۔

دلیل نمبر 19:

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، إِنَّكُمْ لَيْسَ تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ."

(صحیح مسلم؛ ج2 ص346 باب استحباب خفض الصوت بالذکر)

ترجمہ: ”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگ اونچی آواز سے تکبیریں کہنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی جانوں پر نرمی کرو! تم بہرے وغائب کو نہیں پکار رہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا، قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔“

فائدہ:

اگر قرب سے مراد ”قرب علمی“ ہوتا تو ”قریباً“ کہنے پر اکتفاء ہو جاتا لیکن ”وَهُوَ مَعَكُمْ“ فرما کر ”قربِ ذاتی“ کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ اسی طرح اگر مراد صرف ”قربِ وصفی“ ہوتا تو ”أَصَمَّ“ کے بعد ”وَلَا غَائِبًا“ نہ فرماتے۔

دلیل نمبر 20:

عن عَبْدِ اللهِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْغَاضِرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيمَانِ: مَنْ عَبَدَ اللهَ وَحْدَهُ فَإِنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَعْطَى زَكَاةَ

مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ رَافِدَةً عَلَيْهِ فِيْ كُلِّ عَامٍ... وَزَكّٰى عَبْدٌ نَفْسَهُ." فَقَالَ رَجُلٌ: مَا تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: "اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللهَ مَعَهُ حَيْثُمَا كَانَ."

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج4 ص95، 96 باب لا یاخذ الساعی، شعب الایمان للبیہقی ج3 ص187 باب فی الزکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تین کام کئے وہ ایمان کا ذائقہ اور حلاوت محسوس کرے گا۔ 1: صرف اللہ ہی کی عبادت کی کیونکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں 2: خوش دلی اور رغبت سے ہر سال اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی 3: اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ اس پہ ایک شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ! آدمی کے اپنے نفس کا ''تزکیہ'' کرنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان یہ یقین بنالے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔

دلیل نمبر 21:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اِنَّ اَفْضَلَ الْاِيْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ."

(المعجم الاوسط للطبرانی: ج6 ص287 رقم الحدیث 8796)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تو یہ یقین بنالے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

دلیل نمبر 22:

عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ أَنَّ أَبَابَكْرٍ قَالَ لِخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ ائْتِنِي بِرُمْحِكَ فَعَقَدَ لَهُ لِوَاءً ثُمَّ قَالَ لَهُ سِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ مَعَكَ.

مصنف ابن ابی شیبہ ج12 ص513 باب فِي عَقْدِ اللِّوَاءِ وَاتِّخَاذِهِ

ترجمہ: حضرت حبیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنا نیزہ مجھے دو پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس نیزہ پہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جھنڈا باندھ کے دیا اور فرمایا: جاو اللہ تعالی تمہارے ساتھ ہیں۔

دلیل نمبر 23:

اللہ تعالیٰ خالق ہے اور عرش مخلوق ہے، خالق ازل سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ

جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟

دلیل نمبر 24:

حقیقتاً مستوی علی العرش ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ عرش کے محاذات میں ہوں گے۔

ب: عرش سے متجاوز ہوں گے۔

ج: عرش سے کم ہوں گے۔

اگر عرش کے محاذات میں مانیں تو عرش چونکہ محدود ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا' اور متجاوز مانیں تو اللہ تعالیٰ کی تجزی یعنی تقسیم لازم آئے گی (اور تجزی یعنی تقسیم جسم کی ہوتی ہے اور جسم حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے) اور اگر عرش سے کم مانیں تو عرش یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ یعنی خالق سے بڑا ہونا لازم آئے گا' جبکہ یہ تینوں صورتیں محال اور ناممکن ہیں۔

دلیل نمبر 25:

اللہ تعالیٰ خالق ہیں جو کہ غیر محدود ہیں، عرش مخلوق ہے جو کہ محدود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو غیر محدود کا محدود میں سمانا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

دلیل نمبر 26:

اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔

دلیل نمبر 27:

اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ہوگا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان مکین سے بڑا ہوتا ہے، اس عقیدہ سے "اللہ اکبر" والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا۔

دلیل نمبر 28:

اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہتِ فوق لازم آئے گی جبکہ اللہ تعالیٰ جہات ستہ سے پاک ہیں کیونکہ جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی محدود کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود ہیں۔

دلیل نمبر 29: حد بندی کو جسم لازم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

دلیل نمبر 30:

اگر اللہ تعالیٰ کو فوق العرش مانیں تو عرش اس کے لئے مکان ہوگا اور مکان اپنے مکین کو محیط ہوتا ہے اور مکین محاط ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں محاط نہیں، قرآن کریم میں ہے: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

مسلک اھل السنت والجماعت پر اعتراضات کے جوابات

تمہید:

ایک چیز کا اگر جسم ہو تو حکم اور ہوتا ہے جسم نہ ہو تو حکم اور ہوتا ہے۔

مثال نمبر 1: ایک الماری میں 10 کتابیں رکھنے کی گنجائش ہو اس میں اگر قرآن پاک رکھنا چاہیں تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک کتاب نکالی جائے پھر قرآن رکھا جائے جبکہ اسی قرآن کو دماغ یا دل میں محفوظ کرنے کے لئے دل ودماغ سے کسی چیز کے نکالنے کی ضرورت نہیں کیونکہ دماغ میں محفوظ ہونے والا قرآن بلا جسم ہے جبکہ الماری میں رکھا جانے والا مصحف جسم والا ہے۔

مثال نمبر 2: اگر کوئی شخص بیت الخلاء میں قرآن، مصحف لیکر جائے تو بے ادبی ہے جبکہ حافظ قرآن کے سینہ میں قرآن موجود ہوتا ہے وہ اسی کے ساتھ بیت الخلاء جاتا ہے یہ بے ادبی نہیں کیونکہ پہلی صورت میں مصحف جسم والا اور دوسری صورت میں بلا جسم ہے۔

مثال نمبر 3: اگر قرآن کریم نیچے رکھا ہو اور کوئی عالم کرسی پہ بیٹھ جائے تو بے ادبی شمار ہوتی ہے لیکن اگر قرآن کا حافظ نیچے بیٹھا ہو اور غیر حافظ عالم کرسی پہ بیٹھ جائے تو بے ادبی نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ پہلا قرآن جسم والا ہے اور دوسرا قرآن بغیر جسم کے ہے۔ جسم والے کا حکم الگ ہے اور بلا جسم کا حکم الگ ہے۔

مثال نمبر 4: اگر بیڈ پہ قرآن رکھ کے خود اس پہ لیٹ جائے تو ناجائز ہے لیکن اگر حافظہ بیوی کے اوپر لیٹ جائے تو جائز ہے کیونکہ پہلا قرآن جسم والا ہے اور دوسرا قرآن بغیر جسم کے ہے۔ جسم والے کا حکم الگ ہے اور بلا جسم کا حکم الگ ہے۔

مثال نمبر 5: اگر گھر میں آنے والی دلہن کے ہاتھ سے غلاف میں لپٹے ہوئے قرآن کریم کو لے کر چوم لے تو معیوب نہیں لیکن آنے والی حافظہ بیوی کے سینے کو سب کے سامنے یہ سمجھ کر چومے کہ اس میں قرآن کریم ہے اور یہ غلاف کی

طرح ہے تو معیوب ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلا قرآن جسم والا ہے اور دوسرا قرآن بغیر جسم کے ہے۔ جسم والے کا حکم الگ ہے اور بلا جسم کا حکم الگ ہے۔

مثال نمبر 6: اگر جنبی یا حائضہ کو قرآن بلا حائل پکڑایا جائے تو جرم لیکن اسی جنبی کے سینے میں قرآن محفوظ ہو تو جرم نہیں کیونکہ پہلا جسم والا دوسرا بلا جسم ہے۔ جسم والے کا حکم الگ ہے اور بلا جسم کا حکم الگ ہے۔

مثال نمبر 7: اگر سینے میں قرآن موجود ہو تو حلول واتحاد کا سوال نہیں ہوتا لیکن یہی قرآن اگر باہر جسم کے ساتھ ہو تو اب یہ سوال ہوگا کہ قرآن کسی چیز کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتا ہے؟

اس تمہید کے بعد سمجھیں اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے پہ جتنے اشکال کئے جاتے ہیں ان کی بنیاد یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ موجود بالجسم سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں جبکہ اللہ موجود بلا جسم ہے۔

اعتراض نمبر 1:

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانا جائے تو کیا اللہ تعالیٰ بیت الخلاء میں بھی موجود ہے؟ اگر کہیں کہ ''نہیں'' تو ہر جگہ ہونے کا دعویٰ ٹوٹ گیا اور اگر کہیں ''ہے'' تو اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔

جواب نمبر 1: یہ اعتراض تب پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو وجود بمعنی ''جسم'' کے ساتھ مانیں جیسے قرآن کریم کو بیت الخلاء میں لے کر جانا قرآن کی توہین اور بے ادبی ہے حالانکہ ہر حافظ جب بیت الخلاء جاتا ہے تو قرآن اس کے سینے میں موجود ہوتا ہے لیکن بے ادبی نہیں، کیونکہ سینہ میں موجود قرآن جسم سے پاک ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ موجود بلا جسم ہیں۔

جواب نمبر 2: رمضان المبارک کا مہینہ ہر جگہ مبارک ہے۔ اگر کوئی شخص پوچھے کہ بیت الخلاء میں رمضان ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر جگہ رمضان نہیں، اگر ہے تو بیت الخلاء میں بابرکت کیسے؟ تو اس کا یہ سوال لغو ہوگا کیونکہ جب رمضان کا جسم نہیں ہے تو ہر جگہ ماننے میں کوئی بے ادبی نہ ہوگی اور یہ ہر جگہ بابرکت ہوگا۔ اسی طرح جب اللہ کا جسم نہیں تو ہر جگہ ماننے میں بے ادبی نہیں۔

جواب نمبر 3: بعض چیزوں کو اجمالاً بیان کریں تو مناسب اور ادب ہے، اگر تفصیلات بیان کریں تو خلافِ ادب ہے۔

مثال نمبر 1: وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

(الاحزاب: 72)

ترجمہ: اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا، بلاشبہ انسان بڑا ظالم اور نادان ہے۔

اجمالاً انسان کو ظلوم وجہول کہنا درست ہے لیکن ایک ایک انسان کا نام لینا حتی کہ صحابی بلکہ نبی علیہ السلام کا نام لیکر یہ کہنا جائز

نہیں۔

مثال نمبر 2: سسر اپنے داماد کو کہے: ''میری بیٹی کے حقوق کا خیال رکھنا''، تو اجمالاً قول ہونے کی وجہ سے یہ ادب ہے لیکن اگر وہ تمام حقوق حتی کہ جنسی ضرورت تک کے حقوق ایک ایک کر کے گنوانا شروع کر دے تو یہ خلاف ادب ہے۔

مثال نمبر 3: ''سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کا خالق اللہ تعالی ہے'' یہ کہنا ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک عضو یہاں تک کہ عضو مخصوص کا نام لے کر یہی بات کہی جائے تو یہ خلافِ ادب ہے۔

مثال نمبر 4: تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالی ہے یہ اجمالاً کہنا ادب ہے لیکن تفصیلا ایک ایک چیز یہاں تک کہ پیشاپ، پاخانہ وغیرہ کا نام لے کر یہی بات کہنا بے ادبی ہے۔

اسی طرح ''اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے'' یہ اجمالاً کہنا تو مذکورہ قاعدہ کی رو سے درست اور ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک جگہ کا جس میں ناپسندیدہ جگہیں بھی شامل ہوں، نام لے کر کہا جائے تو یہ بے ادبی ہونے کی وجہ سے غلط ہو گا۔ لہذا ایسا سوال کرنا ہی غلط، نامناسب اور ناجائز ہے۔

اعتراض نمبر 2:

(اس اعتراض کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ہر ایک کا وجود باقی رہے ''اتحاد'' کہلاتا ہے جیسے آملیٹ جس میں انڈا، ہری مرچ ٹماٹر، پیاز وغیرہ۔ اور دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ایک چیز کا وجود ختم ہو جائے ''حلول'' کہلاتا ہے جیسے چینی ملا دودھ۔)

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانیں تو اس سے حلول اور اتحاد لازم آئے گا۔

جواب: حلول اور اتحاد تب لازم آئے گا جب اللہ تعالیٰ کے لئے جسم مانا جائے' جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔

اعتراض نمبر 3:

جب آپ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ پہ مانتے ہیں تو جو اعتراض اللہ کو عرش پہ ماننے سے پیدا ہوتے ہیں وہ یہاں پہ بھی ہوں گے۔

جواب نمبر 1:

ہر جگہ موجود یہ تعمیم امکنہ تعبیر لامکان کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک بھی ہیں اور ہر مکان کو محیط بھی ہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ وکان اللہ بکل شئی محیطا ۔ {سورۃ نساء آیت نمبر 126}

ہر جگہ پہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب مکان نہیں تھا اللہ تعالیٰ تب بھی تھے مکان ہے اللہ تعالیٰ اب بھی ہیں اور جب مکان نہیں ہو گا اللہ تعالیٰ تب بھی ہوں گے۔

جواب نمبر2:

ایک ہوتا ہے ''بلا مکان'' اور ایک ہوتا ہے ''خاص مکان''۔جب اللہ تعالیٰ کو خاص مکان یعنی عرش پر مانیں گے تب اشکالات ہوں گے، ہم نے اللہ تعالی کو کسی خاص جگہ نہیں مانا بلکہ اللہ تعالیٰ کو موجود بلا مکان مانا ہے اور موجود بلا مکان کو سمجھانے کے لیے ''اللہ تعالی ہر جگہ پر ہے'' سے تعبیر کیا ہے،اس لیے اشکال پیدا نہیں ہو گا۔

غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات

دلیل نمبر1:

وہ تمام آیات جن میں اللہ کے مستوی علی العرش ہونے کا ذکر ہے۔یہ کل سات آیات ہیں:

1: ﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾(سورۃ الاعراف:54)

2: ﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾(سورۃ یونس:3)

3: ﴿ اَللهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾(سورۃ الرعد:2)

4: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾(سورۃ طٰہٰ:5)

5: ﴿ اَلَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾(سورۃ الفرقان:59)

6: ﴿ اَللهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾(سورۃ الم السجدۃ:4)

7: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾(سورۃ الحدید: 4)

جواب نمبر1: یہاں استواء علی العرش سے مراد اللہ تعالی کا عرش پر غالب ہونا ہے''امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ ت256ھ فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ {اسْتَوَى} عَلَا عَلَى الْعَرْشِ (صحیح بخاری: کتاب التوحید،باب وکان عرشہ علی الماء)۔

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں استواء علی العرش کا معنیٰ اللہ تعالی کا عرش پر غالب ہونا ہے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے استواء کا معنیٰ علا کیا ہے اور علا کا معنی غلبہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

1: ﴿وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ﴾ (سورۃ یونس:83)

ترجمہ: یقیناً فرعون زمین میں غالب ہو چکا تھا اور وہ سرکش لوگوں میں سے تھا۔

2: ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ﴾ (سورۃ القصص:4)

ترجمہ: فرعون زمین میں غلبہ پا چکا تھا۔

3: ﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾

(سورۃ المومنون:91)

ترجمہ: نہ تو اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہے، اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا، اور پھر وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کو چڑھ دوڑتے۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔

فائدہ: استواء بمعنی غالب ہونا یہ اہل عرب میں استعمال ہوتا ہے۔

1. ابو مالک اخطل غیاث بن الصَّلت بن طارقہ ت 90ھ نے بشر بن مروان ت 694ء کی مدح میں یہ شعر کہا تھا:

قَدِ اسْتَوَىٰ بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ
مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَّ دَمٍ مُّهْرَاقِ

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص153)

ترجمہ: بشر بن مروان نے بغیر جنگ اور خونریزی کے عراق پر غلبہ پالیا۔

2. ایک اور شاعر نے کہا:

فَلَمَّا عَلَوْنَا وَ اسْتَوَيْنَا عَلَيْهِمِ
جَعَلْنَاهُمُ مَرْعًى لِنَسْرٍ وَّ طَائِرِ

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص154)

ترجمہ: جب ہم ان پر چڑھ دوڑے اور ان پر غلبہ پالیا تو انھیں (ٹکڑے ٹکڑے کر کے) گدھوں اور پرندوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔

اشکال: اگر کوئی کہے کہ عرش کی کیا تخصیص ہے، جب کہ اللہ تو آسمان، زمین اور دیگر مخلوقات پر بھی غالب ہے، تو عرش کو

خاص کیوں کیا گیا؟

جواب: عرش کائنات کا مکانِ آخر ہے تو مکانِ آخر تک غلبہ بتانے کے لیے عرش کا ذکر کیا۔ جیسے ایک آدمی کے پاس سائیکل ،موٹر سائیکل اور کار ہو تو وہ اپنی ملکیت اور مالی رتبہ بتانے کے لیے یہ کہے: ''میرے پاس کار ہے'' تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس سائیکل اور موٹر سائیکل رکھنے کی اہلیت نہیں۔

جواب نمبر2: اگر استویٰ علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً عرش پر ہونا مراد لیں تو قرآن کریم کی بہت ساری ان آیات کا ان آیات سے تعارض لازم آتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے فوق العرش ہونے کے بجائے **فی السماء یا فی الارض یا مع کل شئی** یا ہر جگہ ہونے کا ذکر موجود ہے جیسے:

''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ''(سورہ البقرۃ: 115)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہذا جس طرف بھی تم رخ کرو گے وہیں اللہ کا رخ ہے۔

''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ'' (سورہ ق:16)

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

''ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ'' (سورۃ الملک:16) [کیا تم کو اس (اللہ تعالیٰ) کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا]

ضابطہ: قرآن کریم میں قطعاً تعارض نہیں ہے۔

''وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافاً كَثِيْراً۔''(سورۃ النساء: 82)

ترجمہ: اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

جواب نمبر3: بہتر یہ ہے کہ جواب یوں دیا جائے کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور اس کا معنی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس پر کسی قسم کا اشکال نہ ہو گا اور آیات کا تعارض بھی لازم نہیں آئے گا۔

دلیل نمبر2:

وہ تمام آیات جن سے اللہ تعالیٰ کا جہتِ علو یعنی جانبِ بلندی کی طرف ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ(سورۃ النساء؛158)

ترجمہ: بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

جواب: امام ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی رحمہ اللہ ت 671ھ نے اس آیت کی بہترین تفسیر اور مطلب بیان

کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

''اَیْ اِلَی السَّمَاءِ وَاللّٰہُ تَعَالٰی مُتَعَالٍ عَنِ الْمَکَانِ''

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبیؒ ج2 ص12)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمہ اللہ ت606ھ فرقہ مُشبِّہ (جو اللہ تعالیٰ کے لیے اس آیت سے جہت ثابت کرتے ہیں) کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اَلْمُرَادُ الرَّفْعُ اِلٰی مَوْضِعٍ لَا یَجْرِیْ فِیْہِ حُکْمُ غَیْرِ اللّٰہِ۔''

(تفسیر الفخر الرازی ج11 ص102 تحت قولہ تعالیٰ: بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ)

ترجمہ: ''رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ'' سے مراد ایسے مقام کی طرف اٹھانا ہے جہاں غیر اللہ کا حکم نہیں چلتا۔

فائدہ: دنیا میں ہر چیز پر حقیقی اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اگر ظاہری اختیار بندے کا ہو تو نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے اور اگر حقیقی اختیار کے ساتھ ساتھ ظاہری اختیار بھی اللہ پاک کا ہو تو نسبت اللہ پاک کی طرف ہوتی ہے۔

مثال نمبر 1: اگر کوئی آدمی اپنے گھر سے دوسرے شہر چلا جائے تو نسبت اس کی طرف ہوتی ہے، مثلاً فلاں بندہ لاہور یا کراچی چلا گیا، لیکن اگر کوئی بندہ دنیا کو چھوڑ کر قبر میں چلا جائے تو نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلا گیا ہے کیونکہ موت کے بعد واپس آنے میں ظاہری اختیار بھی بندے کا ختم ہے جبکہ لاہور، کراچی جانے میں اور واپس آنے میں ظاہری اختیار بندے کے پاس موجود ہے۔

مثال نمبر 2: اگر کوئی شخص ایک کنال کا پلاٹ خرید کر پندرہ مرلہ پر اپنا مکان بنائے اور پانچ مرلہ پر مسجد بنائے تو مکان کو اس کا گھر اور مسجد کو اللہ پاک کا گھر کہا جاتا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کی متعدد آیات میں بھی یہی بات ملتی ہے مثلاً:

1: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ

سورۃ آل عمران: آیت 19

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی دینِ برحق ہے۔ اور اہلِ کتاب نے ان کے پاس علم آجانے کے بعد محض آپسی ضد کی وجہ سے ہی اختلاف کیا۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے تو اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

دین میں کمی بیشی کا اختیار چونکہ بندے کے پاس نہیں، اس لیے فرمایا: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾۔

2: فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

سورۃ آل عمران: آیت 37

ترجمہ: مریم کے رب نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمالیا اور اسے بہترین انداز میں پروان چڑھایا اور اسے زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دے دیا۔ جب بھی زکریا علیہ السلام ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے تو ان کے پاس کھانا موجود پاتے۔ [ایک دن] فرمانے لگے: اے مریم! تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ وہ کہنے لگیں: یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے، بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا سیدہ مریم علیہا السلام کو کھانا دینا لیکن جو اللہ کی طرف سے ملے جس میں بندے کو اختیار نہیں تھا اس کو ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ فرمایا۔

3: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ

سورۃ آل عمران: آیت 169

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہو جائیں، ان کے بارے میں سوچنا بھی مت کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔

شہید کو جو موت کے بعد رزق ملتا ہے اس میں بھی بندے کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا اس لئے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ فرمایا۔

4: ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا

سورۃ الفرقان: آیت 46

ترجمہ: پھر آہستہ آہستہ اس سائے کو ہم اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ت 1362ھ فرماتے ہیں: ”چونکہ اس کا غائب ہونا محض قدرت الٰہیہ سے بلا شرکت غیرے ہے اور باوجود غیبوبت عن الحس کے علم الٰہی سے غائب نہیں اس لئے الینا فرمایا گیا“

بیان القرآن سورۃ الفرقان آیت 46

دلیل نمبر 3:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (سورۃ الانعام:18)

ترجمہ: وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

جواب:

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ المالکی (ت 671ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ومعنى {فَوْقَ عِبَادِهِ} فَوْقِية الاسْتِعْلَاءِ بِالْقَهْرِ وَالْغَلَبَةِ عَلَيْهِمْ أَيْ هُمْ تَحْتَ تَسْخِيرِهِ لَا فَوْقِية مَكان كما تَقُول: السُّلْطَانُ فَوْقَ رَعِيَّتِه أي بِالْمَنْزِلَةِ والرِّفْعَةِ.

(الجامع لاحکام القرآن: ج1 ص1176)

ترجمہ: ''فوق عبادہ'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ رب العزت کا اپنے بندوں پر برتری اور غلبہ ہے یعنی بندے اللہ کے حکم کے پابند ہیں، اس سے مراد یہ نہیں کہ اللہ مکان کے اعتبار سے اوپر ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے آپ کہیں کہ ''بادشاہ اپنی رعایا سے اونچا ہے'' اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا سے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے بلند ہے۔

اشکال: اللہ غالب تب ہو گا جب سب سے اوپر ہو۔

جواب: فوقیت سے مراد فوقیتِ حسی نہیں بلکہ فوقیتِ مرتبہ اور فوقیتِ قدرت ہے۔ دلیل اس پر ''وَهُوَ الْقَاهِرُ'' ہے جیسے غلام دوسری منزل پر اور آقا پہلی منزل پر ہو تو کہتے پھر بھی یہی ہیں کہ آقا اپنے غلام پر غالب ہے۔

دلیل نمبر4:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (سورہ فاطر؛10)

ترجمہ: اسی کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتا ہے۔

جواب: یہ کنایہ حسنِ قبول سے ہے۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) فرماتے ہیں:

صُعُوْدُ الْكَلِمِ الطَّيِّبِ وَالصَّدَقَةِ الطَّيِّبَةِ إِلَى السَّمَاءِ عِبَارَةٌ عَنْ حُسْنِ الْقُبُوْلِ لَهُمَا.

(کتاب الاسماء والصفات ج2 ص168)

کہ کلمات طیبہ اور صدقہ طیبہ کا آسمان کی طرف چڑھنا اس سے مراد ان کلمات اور اعمال کا قبول ہونا ہے۔

جیسے ہمارے ہاں کہا جاتا ہے فلاں بندہ ایوان صدر تک پہنچ گیا ہے اس کا مطلب ہوتا ہے ایوان صدر تک اس کی بات پہنچ گئی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ خود وہاں پہنچ گیا ہے۔

دلیل نمبر5:

ءَاَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ (سورۃ الملک:16)

ترجمہ: کیا تم کو اس (اللہ) کا جو آسمانوں میں ہے، خوف نہیں رہا۔

جواب نمبر 1:

اس سے مراد اللہ تعالی کی ذات کا آسمان میں ہونا نہیں بلکہ اللہ تعالی کی بادشاہت، سلطنت کا آسمان میں ہونا مراد ہے۔

امام فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی رحمہ اللہ ت606ھ اس آیت کا معنی یہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مَنْ فِي السَّماءِ سُلْطَانُه وملكه وقدرته ، والغَرَضُ مِنْ ذِكْرِ السَّمَاءِ تَفْخِيم سلطان الله وتعظيم قُدرته.

(التفسیر الکبیر للرازی: ج30 ص70)

ترجمہ: اس سے مراد وہ ذات ہے جس کی بادشاہت، سلطنت اور قدرت آسمان میں ہے۔ آسمان کا تذکرہ کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور اس کی قدرت کی بڑائی کو بیان کرنے کے لیے ہے۔

جواب نمبر 2:

اگر اس کا حقیقی معنی ہی مراد لیں کہ اللہ تعالی آسمان میں ہیں جیسا کہ غیر مقلدین کا موقف ہے تو اس صورت میں دو چیزیں ایسی ماننی پڑیں گی جو ناممکن اور محال ہیں۔

1: اللہ تعالی کو عرش سے چھوٹا ماننا پڑے گا اس لئے کہ اس آیت سے ثابت ہو گا اللہ تعالی آسمان میں ہیں اب آسمان محیط اللہ تعالی محاط ہوئے اور محاط محیط سے چھوٹا ہوتا ہے تو معاذ اللہ اللہ تعالی آسمان سے چھوٹے ہوئے اور آسمان عرش سے چھوٹا تو نتیجہ اللہ تعالی عرش سے چھوٹے ہوئے جبکہ یہ ناممکن اور محال ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالی اکبر من کل شئ ہیں۔

2: اگر اس کا حقیقی معنی ہی مراد لیں کہ اللہ تعالی آسمان میں ہیں تو اس صورت میں اللہ تعالی کا مالک لنفسہ ہونا لازم آئے گا ۔اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے " قُل لِّمَن مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ قُل لِّلّٰهِ "

سورۃ الانعام: آیت 12

ترجمہ: آپ ان سے پوچھئے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے کس کی ملکیت ہے؟ فرما دیجئے یہ سب اللہ ہی کے لئے ہے۔

جب اللہ آسمان میں ہیں تو اس سے اللہ تعالی کا اپنی ذات کا مالک ہونا لازم آئے گا جو کہ ناممکن اور محال ہے۔

امام فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت606ھ) اس آیت سے استدلال کرنے والوں کا رد

کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

وَاعْلَم أن المشبِّهة احتجُّوا على إثباتِ المكانِ للهِ تعَالى بقوله : {ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ}، والجوابُ عَنهُ أن هذِهِ الآيَة لا يُمكِنُ إجرَاؤُهَا على ظاهِرِها باتِّفاقِ المُسلِمين، لأنَّ كَونَهُ في السَّماء يَقتَضِي كَون السماء محيطاً به مِن جَمِيعِ الجوَانِب، فيَكُون أصغَر من السماء، والسَّماءُ أصغر منَ العرْش بِكَثِير، فيَلزَم أن يكون اللهُ تعالى شَيئاً حَقِيراً بالنِّسبَةِ إلَى العَرْشِ، وذلِكَ باتِّفَاقِ أهْل الإسلامِ مُحال، ولأنَّه تعالى قال: {قُل لِّمَن مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَالأرضِ قُل لِلّٰه} فلَوْ كَانَ اللهُ في السَّماء لَوَجَب أن يكونَ مالِكاً لِنَفسِه وهذا مُحال، فعَلِمنَا أنَّ هذه الآية يَجِبُ صَرفُهَا عن ظاهِرِها إلى التأويل،

(التفسیر الکبیر للرازی: ج30 ص69،70 سورۃ الملک آیت ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ)

ترجمہ: یہ بات جان لیجئے کہ فرقہ مشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کو ثابت کرنے کے لیے اس آیت ﴿ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ﴾ سے استدلال کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہر گز مراد نہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مانیں تو ماننا پڑے گا کہ آسمان اللہ تعالیٰ کو محیط ہو۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ آسمان سے چھوٹے قرار پائیں گے۔ حالانکہ آسمان تو عرش سے بہت چھوٹا ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش کی نسبت بہت چھوٹے ہوں حالانکہ اس بات کے محال ہونے پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا ہے: ”آپ پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ اس کا جواب بھی خود فرمادیں کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔“ اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مان لیا جائے تو اس سے یہ بات لازم ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کا مالک ہو اور یہ بات محال ہے۔ {کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں مملوک نہیں} اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہر گز مراد نہیں بلکہ اس کی تاویل کرنا ضروری ہے۔

جواب نمبر3:

اگر اس کا حقیقی معنی ہی مراد لیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں تو پھر بھی یہ غیر مقلدین کے موقف فوق علی العرش کے خلاف ہے۔

دلیل نمبر6:

تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ (سورۃ المعارج: 4)

ترجمہ: فرشتے اور حضرت جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں۔

جواب:

اس سے مراد محل امر اور مکان امر ہے۔یعنی وہ مکان مراد ہے جس کی طرف جانے اور وہاں سے احکام لیکر زمین کی طرف اترنے کا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا ہے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ المالکی (ت 671ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقوله: {إِلَيْهِ} يعني إلى الْمكانِ الذي أَمَرَهُمُ اللهُ تعالى أن يَعْرُجوا إليه. وهذا كقولِ إبراهيم عليه الصلاة والسلام: ﴿وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ [سورة الصافات: 99] أراد أرضَ الشامِ. وقال تعالى: ﴿وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ﴾ [سورة النساء: 100] أي إلى الْمدِينةِ.

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبیؒ: ج2 ص2436)

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتے اور روح (حضرت جبرئیل علیہ السلام) اس مکان کی طرف چڑھتے ہیں جس کی طرف اللہ جانے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا تھا: ﴿إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ کہ ''میں اپنے رب کی طرف جارہا ہوں، میرا رب مجھے راستہ دکھائے گا'' مراد اس سے شام کی سرزمین کی طرف جانا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ﴾ جو بندہ اپنے گھر سے اللہ کی طرف ہجرت کرنے کے ارادے سے نکلتا ہے'' تو اس آیت میں مراد مدینہ کی طرف ہجرت کرنا ہے۔

دلیل نمبر7:

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ ، قَالَ :.... كَانَتْ لِيْ جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ قِبَلَ اُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ عَنْ غَنَمِهَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ آدَمَ اٰسَفُ كَمَا يَاْسَفُوْنَ لٰكِنِّيْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه و سلم فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَيَّ ـ قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ ! اَفَلَا اَعْتِقُهَا ؟ قَالَ : اِئْتِنِيْ بِهَا ـ فَاَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا : اَيْنَ اللهُ؟ قَالَتْ : فِي السَّمَاءِ ـ قَالَ مَنْ اَنَا؟ قَالَتْ : اَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ ـ قَالَ : اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

(صحیح مسلم ج 1 ص 203، 204 باب تحریم الکلام فی الصلوۃ الخ)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ایک باندی تھی، جو احد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چراتی تھی۔ایک دن میں وہاں آنکلا تو دیکھا کہ ایک بھیڑیا ایک بکری کو لے گیا ہے۔آخر میں بھی آدمی ہوں مجھ کو بھی غصہ آجاتا ہے۔میں نے اس کو ایک طمانچہ مارا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے میرا یہ فعل بہت بڑا قرار دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اس باندی کو آزاد نہ کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں آپ ﷺ کے پاس لے کر گیا۔آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔آپ ﷺ نے فرمایا

میں کون ہوں؟اس نے کہاآپ اللہ کے رسول ہیں۔(یعنی آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہے)تب آپ ﷺ نے فرمایااس کو آزاد کردے اس لیے کہ یہ مؤمنہ ہے۔

جواب نمبر1:

جواب سے پہلے دو باتیں سمجھیں:

1: حدیث مضطرَب کی تعریف: علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ ت1394ھ لکھتے ہیں:

حدیث یروی علی اوجه مختلفة متساویة سواء کان من راو واحد مرتین او اکثر او من راو ثان او من رواۃ ولا مرجح

قواعد فی علوم الحدیث ص44

ترجمہ: مضطرب وہ حدیث ہے جو ایک راوی سے مختلف الفاظ سے مروی ہو یا کئی روات سے مختلف الفاظ سے مروی ہو اور وہ قوت میں برابر ہوں،ان میں سے ایک کو دوسری پہ ترجیح بھی نہ دی جاسکے۔

2: حدیث مضطرَب کا حکم: علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت676ھ) لکھتے ہیں:

"وَالْاِضْطِرَابُ يُوْجِبُ ضُعْفَ الْحَدِيثِ لِاشْعَارِہ بِعَدمِ الضَّبْطِ وَيَقَعُ فِي الاِسْنَادِ تَارة وفِي الْمَتنِ أُخْرىٰ"

(تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص133)

ترجمہ: اضطراب کی وجہ سے حدیث میں ضعف پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ راوی نے الفاظِ حدیث کو صحیح طریقے سے ضبط نہیں کیا۔اضطراب کبھی سند میں ہوتا ہے اور کبھی متن میں ہوتا ہے۔

اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث جاریہ مضطرب ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے۔

1: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ) لکھتے ہیں:

"وقد ذکرتُ فی کتاب الظهار من السنن مخالفةَ من خالف معاویة بن الحکم فی لفظ الحدیث"

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی :ج2ص164)

ترجمہ: میں نے اپنی کتاب ''السنن الکبریٰ'' میں ان روات کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کے الفاظ کے بیان کردہ الفاظ کے بجائے اور الفاظ ذکر کیے ہیں۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ) نے ''السنن الکبریٰ'' میں تفصیل سے ان روایات کا ذکر کیا ہے جن میں قبولِ اسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ''فی السماء'' کے بجائے دیگر الفاظ کا ذکر ملتا ہے۔

مثلاً

1: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ رَبُّكِ؟. قَالَتِ: اَللّٰهُ رَبِّي .(عن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

2: فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: أَتَشْهَدِينَ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ؟. قَالَتْ نَعَمْ (عن عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود)

3: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ادْعُ بِهَا. فَقَالَ: «مَنْ رَبُّكِ؟. قَالَتِ اللَّهُ (شرید بن سوید الثقفی رضی اللہ عنہ)

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج7 ص387تا389 کتاب الظہار)

2: حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

"وفی اللفظ مخالفة كثيرة." (تلخیص الحَبیر لابن حجر: ج3 ص223 کتاب الکفارات)

ترجمہ: اس روایت کے الفاظ میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

3: شیخ الاسلام علامہ محمد زاہد بن الحسن الکوثری الحنفی (ت 1371ھ) فرماتے ہیں:

"لان الحديث فيه اضطراب سنداً و متناً"

(تکملة الرد علی نُوْنِیَةِ ابن القیم للکوثری: ص83)

ترجمہ: اس حدیث (جاریہ) میں سند اور متن دونوں کے اعتبار سے اضطراب پایا جاتا ہے۔

فائدہ: 1

سند: حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں۔ پہلا حصہ جس میں راوی؛ حدیث کے الفاظ کو ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آتے ہیں اس سلسلہ کو سند کہتے ہیں۔

متن: جہاں سند ختم ہو اور حدیث کے الفاظ شروع ہو جائیں تو ان الفاظ کو متن کہتے ہیں۔

فائدہ 2:

اضطراب کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حدیث کے متون مختلف کتب میں مختلف الفاظ سے موجود ہیں۔

1: عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ ، قَالَ :.... كَانَتْ لِيْ جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ قِبَلَ اُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ عَنْ غَنَمِهَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ آدَمَ اٰسَفُ كَمَا يَاْسَفُوْنَ لٰكِنِّيْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ و سلم فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَيَّ ـ قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ ! اَفَلَا اَعْتِقُهَا ؟ قَالَ: اِئْتِنِيْ بِهَا ـ فَاَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا: اَيْنَ اللهُ؟ قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ ـ قَالَ مَنْ اَنَا؟ قَالَتْ

:اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔قَالَ :اَعْتِقْھَا ،فَاِنَّھَا مُؤْمِنَۃٌ.

(صحیح مسلم ج 1ص 203،204باب تحریم الکلام فی الصلوۃ الخ)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ایک باندی تھی‘ جو احد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چراتی تھی۔ایک دن میں وہاں آنکلا تو دیکھا کہ ایک بھیڑیا ایک بکری کو لے گیا ہے۔آخر میں بھی آدمی ہوں مجھ کو بھی غصہ آجاتا ہے۔میں نے اس کو ایک طمانچہ مارا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے میرا یہ فعل بہت بڑا قرار دیا۔ میں نے کہا یارسول اللہ ! کیا میں اس باندی کو آزاد نہ کردوں ؟آپ ﷺ نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں آپ ﷺ کے پاس لے کر گیا۔آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے ؟اس نے کہا آسمان میں۔آپ ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں ؟اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔(یعنی آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہے)تب آپ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کردے اس لیے کہ یہ مؤمنہ ہے۔

2: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَأَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَارِيَةٍ سَوْدَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَقَالَ لَهَا أَيْنَ اللَّهُ فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ بِإِصْبَعِهَا فَقَالَ لَهَا فَمَنْ أَنَا فَأَشَارَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِلَى السَّمَاءِ يَعْنِي أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ

(سنن ابی داود بَاب فِي الرَّقَبَةِ الْمُؤْمِنَةِ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی سیاہ رنگ کی باندی کو لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میرے ذمہ ایک مومن کو آزاد کرنا ہے {تو کیا میں اس باندی کو آزاد کردوں ؟} آپ علیہ السلام نے باندی سے پوچھا اللہ کہاں ہے ؟اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔آپ علیہ السلام نے پوچھا میں کون ہوں ؟اس نے آپ کی طرف اور آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔اس پہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ مومنہ ہے،اس کو آزاد کردو۔

3: عن الشَّرِيدِ بنِ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيِّ قال أتيتُ رسولَ الله فقلتُ إنّ أُمِّي أَوْصَتْ أنْ تُعْتَقَ عنها رَقَبَةٌ وإنّ عندي جاريةً نُوبِيّةً أَفَيُجْزِءُ عنِّي أنْ أُعْتِقَهَا عنها قال ائْتِني بها فأتيتُه بها فقال لها النبيُّ مَنْ رَبُّكِ قالتِ الله قال مَنْ أنا قالتْ أنتَ رسولُ الله قال فأَعْتِقْهَا فإنها مُؤْمِنَةٌ.

(سنن النسائی: کتاب الوصایا، باب فضل الصَّدَقَةِ عن المیّت)

ترجمہ: حضرت شرید بن سوید فرماتے ہیں میں لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میری والدہ نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے ایک باندی آزاد کرنا میرے پاس ایک سیاہ رنگ کی باندی ہے کیا میرے لئے

جائز ہے کہ اس کو والدہ کی طرف سے آزاد کر دوں ؟آپ علیہ السلام نے فرمایا اس باندی کو میرے پاس لے آو میں لیکر خدمت میں حاضر ہوا آپ علیہ السلام نے باندی سے پوچھا تیرا رب کون ہے ؟اس نے کہا اللہ۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا میں کون ہوں ؟اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں اس پہ آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ مومنہ ہے اس کو آزاد کر دو۔

4: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ أَنَّهُ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ جَارِيَةً لِي كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا لِي فَجِئْتُهَا وَقَدْ فُقِدَتْ شَاةٌ مِنْ الْغَنَمِ فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ أَكَلَهَا الذِّئْبُ فَأَسِفْتُ عَلَيْهَا وَ كُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَيَّ رَقَبَةٌ أَفَأُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ اللَّهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ أَنَا فَقَالَتْ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتِقْهَا

(موطا مالک بَاب مَا يَجُوزُ مِنْ الْعِتْقِ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ)

ترجمہ: حضرت عمر بن حکم فرماتے ہیں میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میری ایک باندی ہے جو بکریاں چراتی ہے میں اس کے پاس گیا تو ایک بکری گم ہو چکی تھی میں اس باندی سے بکری کے بارے پوچھا تو اس نے کہا اس کو بھیڑیا کھا گیا، انسان ہونے کی وجہ سے مجھے اس پہ غصہ آیا اور میں نے اس کے چہرے پہ تھپڑ مار دیا۔ اور میرے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا بھی ہے تو کیا میں اس باندی کو آزاد کر دوں ؟آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے ؟ اس نے کہا آسمان میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں ؟اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہے) تب آپ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کر دے۔

5: عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ الْأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَارِيَةٍ لَهُ سَوْدَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَإِنْ كُنْتَ تَرَاهَا مُؤْمِنَةً أُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْهَدِينَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَتَشْهَدِينَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَتُوقِنِينَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَتْ نَعَمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتِقْهَا

(موطا مالک بَاب مَا يَجُوزُ مِنْ الْعِتْقِ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ)

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص اپنی سیاہ رنگ کی باندی کو لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میرے ذمہ ایک مومن کو آزاد کرنا ہے اگر آپ اس باندی کو مومن سمجھتے ہیں تو میں اس کو آزاد کرتا ہوں آپ علیہ السلام نے باندی سے پوچھا کیا تو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ؟اس نے کہا جی بالکل۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا

رسول ہوں؟اس نے کہا جی ہاں۔آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تو قیامت پہ یقین رکھتی ہے؟اس نے کہا جی رکھتی ہوں آپ علیہ السلام نے فرمایا اس کو آزاد کر دو۔

وجوہ اضطراب:

ان متون کو دیکھا جائے تو کئی قسم کا اضطراب پایا جاتا ہے مثلاً

(1) باندی کس کی تھی؟مالک کا نام کیا ہے؟

اس بارے روایات میں نام مختلف ہیں چنانچہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق باندی حضرت معاویہ بن حکم السلمی کی تھی۔

ابوداؤد میں رجلاً ہے نام کا ذکر نہیں۔

نسائی کی روایت میں شرید بن سوید ہے۔

جبکہ مؤطا کی ایک روایت میں مالک کا نام عمر بن حکم اور دوسری میں رجلاً من الانصار کے الفاظ ہیں۔

(2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے سوال کیا کیا؟

صحیح مسلم اور ابوداؤد اور موطا کی ایک روایت میں سوال این اللہ اور من انا کے الفاظ سے ہے۔

سنن نسائی میں سوال من ربک اور من انا کے الفاظ سے ہے۔

اور مؤطا کی دوسری حدیث میں اتشھدین ان لا الہ الا اللہ ہے نیز مؤطا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید ورسالت کے ساتھ قیامت کے متعلق بھی پوچھا باقی روایات میں قیامت کا تذکرہ نہیں۔

(3) باندی نے جواب کیا دیا؟

صحیح مسلم اور موطا کی ایک روایت میں این اللہ کا جواب فی السماء سے اور من انا کا جواب رسول اللہ سے دیا۔

ابوداؤد میں اشارت الی السماء اور اشارت الی النبی کے الفاظ ہیں۔

نسائی میں جواب لفظ اللہ اور انت رسول اللہ سے دیا۔

جبکہ مؤطا کی دوسری روایت میں جواب نعم کے لفظ سے ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ یہ حدیث متن کے اعتبار سے مضطرب ہے اور اضطراب کی وجہ سے حدیث قابل استدلال نہیں ہوتی۔

جواب نمبر2: ہر آدمی بقدر عقل مکلف ہوتا ہے۔باندی کا جواب واقع کے مطابق درست نہ تھا' لیکن اس میں عقل ہی اتنی تھی کہ جواب اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے اس کا ایماندار ہونا تسلیم کر لیا گیا۔لہٰذا اس سے اللہ کے محض ''فِی

السَّمَآءِ" ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ت 1176ھ فرماتے ہیں: ان الشارع لم یخاطبهم إلا علی میزان العقل المودع فی أصل خلقتهم قبل أن یتعانوا دقائق الحکمة والکلام والأصول..... وقال النبی صلی الله علیه وسلم لامرأة سوداء: أین الله فأشارت إلی السماء فقال هی مؤمنة

حجۃ اللہ البالغۃ باب التیسیر

ترجمہ: اصول، حکمت اور علم الکلام میں غور و فکر کرنے سے پہلے فطری طور پر جو لوگوں کو عقل دی گئی تھی شارع نے لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات فرمائی ہے، نبی کریم ﷺ نے باندی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کر دے اس لیے کہ یہ مؤمنہ ہے۔

فائدہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اطْحَنُونِي ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ فَأَمَرَ اللَّهُ الْأَرْضَ فَقَالَ اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ فَفَعَلَتْ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ قَالَ يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ

(صحیح البخاری ج 1 ص 495 باب بلا ترجمۃ، بعد باب حدیث الغار)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی تھا جو بہت گناہگار تھا جب اسے موت آنے لگی تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاوں تو مجھے جلا دینا پھر میری ہڈیوں کو پیس لینا اور مجھے ہوا میں اڑا دینا قسم بخدا اگر میں اپنے رب کی پکڑ میں آگیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا جو کسی کو بھی نہیں دیا ہو گا چنانچہ جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا، اللہ رب العزت نے زمین کو حکم دیا کہ اس بندے کے ذرات جہاں کہیں بھی ہیں ان کو جمع کر دے زمین نے اس کے ذرات جمع کر دیے تو وہ زندہ کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے یہ کام کیوں کیا؟ ایسی وصیت کیوں کی؟ تو وہ کہنے لگا اے میرے رب میں نے تیرے ڈر کی وجہ سے ایسا کیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بخش دیا۔

اس روایت میں مذکور شخص کا خوفِ خدا کی وجہ سے ایسی خلاف شریعت وصیت کرنا اور پھر اس کے گھر والوں کا اس پر عمل کرنا' واقع میں اسے اللہ کے سامنے حاضری سے نہ بچا سکا' لیکن چونکہ اس میں عقل ہی اتنی تھی لہٰذا اس کا یہ عمل و عذر اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے قبول کر کے اسے بخش دیا گیا۔ یہاں بھی ایسی خلاف شریعت وصیت کرنے' اس پر عمل اور بوجہ عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

جواب نمبر 3: اگر اس حدیث کو سنداً و متناً صحیح و قابلِ استدلال مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث خود غیر مقلدین کے خلاف ہے کیونکہ ان کا دعویٰ تو فوق العرش ہونے کا ہے اور اس سے تو اللہ تعالیٰ کا "فِي السَّمَآءِ" ہونا لازم آتا ہے۔

دلیل نمبر 8:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَنْزِلُ اللهُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِيْنَ يَمْضِيْ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاَوَّلُ.

(صحیح مسلم ج1 ص258 باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل الخ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اوپر ہے۔

جواب نمبر 1:

اس سے یا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت، اللہ تعالیٰ کا حکم اور ملائکہ کا اترنا مراد ہے۔ یا پھر اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا متوجہ ہونا، دعا کو جلدی قبول کرنا مراد ہے۔

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تَأَوَّلُوْا هٰذَا الْحَدِيْث تَأْوِيلَيْنِ، أَحَدُهُمَا: تَأْوِيْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَغَيْرِهِ مَعْنَاهُ: تَنْزِلُ رَحْمَتُهُ وَأَمْرُه وَمَلَائِكَتُهُ كَمَا يُقَالُ: فَعَلَ السُّلْطَانُ كَذَا إِذَا فَعَلَهُ أَتْبَاعُهُ بِأَمْرِهِ. وَالثَّانِي: أَنَّهُ عَلَى الِاسْتِعَارَةِ، وَمَعْنَاهُ: الْإِقْبَالُ عَلَى الدَّاعِينَ بِالْإِجَابَةِ وَاللُّطْفِ.

(شرح صحیح مسلم ج1 ص258 باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل الخ)

ترجمہ: شارحین نے اس حدیث کی دو تاویلیں کی ہیں: پہلی تاویل امام مالک بن انس رحمہ اللہ اور دیگر حضرات کی ہے کہ اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، اللہ تعالیٰ کا امر اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے اترتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کہ "بادشاہ نے یہ کام کیا" جب وہ کام بادشاہ کے حکم سے اس کے ماتحت لوگ سرانجام دیں۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ استعارہ ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والوں کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہیں اور اپنے لطف و کرم سے انہیں نوازتے ہیں۔

جواب نمبر 2: نیز اگر نزولِ رحمت کے بجائے حقیقتاً نزول مراد لیں تو اللہ کا جسم ماننا لازم آئے گا اور اللہ جسم سے پاک ہے۔

جواب نمبر 3: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) اس کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''اور پھر یہ معترض صاحب جس عروج و نزول کے قائل ہوئے ہیں اس میں لازم آتا ہے کہ دن کو تو استواء علی العرش ہو اور شب کو استویٰ علی العرش نہ رہے۔ کیا یہ تغیر نہیں؟ پھر شب کہیں نہ کہیں تو ہر وقت ہی رہتی ہے تو چاہیے کہ کسی وقت استواء علی العرش نہ ہو اور دن بھی ہر وقت ہی کہیں نہ کہیں رہتا ہے تو چاہیے نزول الی السماء کسی وقت بھی نہ ہو۔ کیا ان سب محذورات کا التزام کریں گے؟ اور قائلین بالحقیقۃ بلا کیف پر یہ محذورات لازم نہیں آئے، اس لیے کہ وہ اس نزول و استواء کو مجتمع مان سکتے ہیں اور اشکالات کا جواب بلا کیف سے دے سکتے ہیں۔''

(تمہید الفرش فی تحدید العرش: ص609، 610)

جواب نمبر 4: اگر اس کا حقیقی معنی مراد ہو تو یہ تمہارے عقیدے کے خلاف ہے کیونکہ جب آسمان پر ہوں گے تو فوق العرش نہیں ہوں گے۔

دلیل نمبر 9:

اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اسی لیے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم کلام ہونے کے لئے عرش پر بلایا۔

جواب: ہم کلام ہونے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلانا اگر عرش پر ہونے کی دلیل ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلا کر ان سے گفتگو کرنا اللہ تعالیٰ کے کوہِ طور پر ہونے کی دلیل ہو گی۔ اور ہر نمازی کا مسجد میں جا کر اللہ سے بات کرنا ہر مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کی دلیل ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ کلامِ الہیٰ تجلیٔ الٰہی کا نام ہے، چاہے اس کے ظہور کے لئے انتخاب عرش کا ہو یا کوہ طور کا ہو۔

دلیل نمبر 10

بوقت دعا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھائے جاتے ہیں جو دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

جواب:

اللہ تعالیٰ جہات ستہ سے پاک ہیں لیکن جہات ستہ کو محیط بھی ہیں، لیکن بندے کے قلبی استحضار کے لئے بعض اعمال کے لئے بعض جہات کا تعین فرما دیتے ہیں۔ جیسے نماز کے لئے جہتِ کعبہ کو قبلہ قرار دیا، دعا کے لئے جہتِ فوق کو قبلہ قرار دیا اور نہایت اعلیٰ درجہ کے قربِ الٰہی کے حصول کے لئے جہتِ ارض کو قبلہ قرار دیا اور قرآن مجید میں حکم دیا: ''وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ'' (اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ)

[سورۃ العلق: آیت 19]

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت676ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا دَعَاهُ الدَّاعِي اِسْتَقْبَلَ السَّمَاء، كَمَا إِذَا صَلَّى الْمُصَلِّي اِسْتَقْبَلَ الْكَعْبَةَ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ مُنْحَصِرٌ فِي السَّمَاءِ، كَمَا أَنَّهُ لَيْسَ مُنْحَصِراً فِي جِهَةِ الْكَعْبَةِ بَلْ ذٰلِكَ لأَنَّ السَّمَاءَ قِبْلَةُ الدَّاعِين، كما أَنَّ الكعبةَ قِبْلَةُ الْمُصَلِّين.

(شرح صحیح مسلم للنووی: ج1ص204)

ترجم: جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو آسمان کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس طرح نماز پڑھنے والا کعبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔اس کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں منحصر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کعبہ کی جہت میں منحصر نہیں ہے بلکہ آسمان؛ دعا کرنے والوں کا قبلہ ہے جس طرح کعبۃ؛ نماز پڑھنے والوں کا قبلہ ہے۔

دلیل نمبر11:

اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کے لئے عموماً اوپر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے مثلاً یوں کہا جاتا ہے آسمان والا خدا، عرش والا خدا، اوپر والی ذات وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

جواب نمبر1: اللہ تعالیٰ جہاتِ ستہ سے اگرچہ پاک ہیں، لیکن تمام جہات کو محیط بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا** (سورۃ النساء: 126) [اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے] اور جہاتِ ستہ میں سے جہتِ علو کو باقی جہات پر عقلاً فوقیت حاصل ہے۔اس لئے علوِ مرتبہ اور تعظیم کا خیال کرتے ہوئے اشارہ اوپر کیا جاتا ہے۔ جیسے استاذ کی آواز دورانِ سبق تمام جہات کی طرف منتقل ہوتی ہے لیکن استاد کے سامنے بیٹھ کر آواز کو سننا ادب ہے اور پیچھے بیٹھ کر سننا بے ادبی ہے۔

جواب نمبر2: اللہ تعالیٰ کی توجہ محل امر کی طرف ہے اور محل امر چونکہ اوپر کی طرف ہے اس لیے اشارہ بھی اوپر ہے۔

نمبر1: امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی الحنفی رحمہ اللہ ت321ھ:

وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُوْنَهٗ. مُحِيْطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ وَبِمَا فَوْقَهٗ وَقَدْ أَعْجَزَ عَنِ الْإِحَاطَةِ خَلْقَهٗ.

(العقیدۃ الطحاویۃ مع الشرح: ص90)

ترجمہ: اللہ رب العزت عرش اور غیر عرش سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اور جو اس چیز کے اوپر ہے اس کا احاطہ کرنے والا ہے اور اس نے مخلوق کو اپنے احاطہ کرنے سے عاجز کر دیا ہے۔

جسم کو رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہے اس لیے اسے کسی مکان کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا عرش اور غیر عرش سے بے نیاز ہے۔ قرآن کریم میں ''ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ'' کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو عرش کی ضرورت ہے یا عرش اللہ تعالیٰ کا مکان ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض احاطہ ذاتی، قرب ذاتی اور معیت ذاتیہ کو ثابت کرنا ہے۔ عبارت میں ''مُسْتَغْنٍ'' ھو ضمیر کی خبر اول ہے۔ اور ''مُحِيْطٌ'' خبر ثانی ہے۔ دونوں کا تعلق ''هُوَ'' کے ساتھ ہے اور ''هُوَ'' سے مراد ذات ہے۔ لہذا جس طرح ذات باری تعالیٰ عرش اور غیر عرش سے مستغنی ہے اسی طرح وہی ذات تمام اشیاء کو محیط بھی ہے۔

(شرح عقیدۃ طحاویۃ از متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن: ص90)

نمبر2: امام ابو القاسم سلمان بن ناصر الانصاری الاصبھانی رحمہ اللہ ت512ھ:

وَلِمَا كَانَ الرَّبُّ سُبْحَانَهٗ أَعْظَمَ مِنْ كُلِّ عَظِيْمٍ جَازَ أَنْ يَكُوْنَ فِيْ جَمِيْعِ الْأَمَاكِنِ وَنَحْنُ لَمَّا جَعَلْنَا عَظَمَتَهٗ مِنْ طَرِيْقِ الرُّتبةِ والمنزلةِ جَعَلْنَا رُتْبَتَهٗ فَوْقَ كُلِّ رُتْبَةٍ فِيْ صِفَاتِ الْمَدْحِ وَلَوْ كَانَ سُبْحَانَهٗ مُخْتَصًّا بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ لَكَانَ صَغِيْرًا

الغنیۃ فی الکلام ج1 ص389

ترجمہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات تمام چیزوں سے بڑی ہے تو ممکن ہے کہ وہ ذات تمام مکانات میں موجود ہو اور ہم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو مقام و مرتبہ کے اعتبار سے جانتے ہیں تو اس کا مقام و مرتبہ مدح کی صفات میں سے بلند ترین ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک ہی جہت میں مختص کیا جائے تو یہ ان کا مرتبہ کم کرنے والی بات ہے۔

نمبر3: علامہ ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر شیرازی البیضاوی رحمہ اللہ ت685ھ:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ [سورۃ ق آیت 16] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تَجُوْزُ بِقُرْبِ الذَّاتِ لِقُرْبِ الْعِلْمِ لِأَنَّهُ مُوْجِبُهُ

(تفسیر البیضاوی: ج2 ص422)

ترجمہ: اس مقام پر قرب علمی کی وجہ سے قرب ذاتی مراد لینا بھی درست ہے کیونکہ قرب علمی کو قرب ذاتی لازم ہے۔

نمبر 4: علامہ علی بن احمد بن ابراہیم المہایمی الہندی رحمہ اللہ ت 835ھ:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ [سورۃ ق آیت 16] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ﴾ لَا بِالْمَكَانِ وَلَا بِالزَّمَانِ وَلَا بِالرُّتْبَةِ بَلْ بِالذَّاتِ مِنْ غَيْرِ اخْتِلَاطٍ وَلَا حُلُوْلٍ وَلَا اتِّحَادٍ

(تفسیر تبصیر الرحمٰن: ج2 ص293)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} اللہ کا یہ قرب مکان، زمان اور رتبہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ ذات کے اعتبار سے ہے لیکن اختلاط، حلول اور اتحاد کے بغیر ہے۔

نمبر 5: شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ت 1034ھ:

"اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حق تعالیٰ کو عرش کے اوپر جانیں اور فوق کی طرف ثابت کریں کیونکہ عرش اور اس کے ماسوا سب کچھ حادث اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ مخلوق و حادث کی کیا مجال ہے کہ خالق قدیم کا مکان اور جائے قرار بن سکے۔" (مکتوبات امام ربانی: ج2 ص225)

نمبر 6: علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی رحمہ اللہ ت 1224ھ:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ {سورۃ الحدید آیت 4} کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْإِحَاطَةِ الذَّاتِيَّةِ

(البحر المَدِید: ج7 ص309)

ترجمہ: {تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے} یعنی اپنے علم، قدرت اور احاطہ ذاتی کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے۔

علامہ الفاسی مزید لکھتے ہیں:

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ بِذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ عَلٰى مَا يَلِيْقُ بِجَلَالِ قُدْسِهِ وَكَمَالِ كِبْرِيَائِهِ؛ إِذِ الصِّفَةُ لَا تُفَارِقُ الْمَوْصُوْفَ فَإِذَا كَانَتِ الْمَعِيَّةُ بِالْعِلْمِ لَزِمَ أَنْ تَكُوْنَ بِالذَّاتِ، فَافْهَمْ، وَسَلِّمْ إِنْ لَمْ تَذُقْ.

(البحر المدید: ج7 ص311)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو اللہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے جیسا کہ اس کی عظمتِ شان اور کمال کبریائی کے لائق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت موصوف سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ جب اللہ کی معیت علم کے ساتھ ہو تو ذات کے اعتبار سے معیت ضرور ہو گی۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے اور اگر ذوق (سلیم) نہ ہو تو (خدا کے) سپرد کر دیجیے!

علامہ فاسی آیت ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ {سورۃ ق آیت 16} کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ أَيْ: أَنَا أَقْرَبُ إِلَى كُلِّ أَحَدٍ مِنْ عُرُوقِ قَلْبِهِ، وَهٰذَا لِأَنَّ قِيَامَ الْفِعْلِ بِالصِّفَاتِ، وَالصِّفَاتُ لَا تُفَارِقُ الذَّاتَ، فَالْقُرْبُ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ، وَتَسْتَلْزِمُ الْقُرْبَ بِالذَّاتِ

(البحر المدید: ج7 ص177)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} یعنی میں (اللہ) ہر شخص کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل (یعنی قریب ہونے) کا قیام صفات کے ذریعے ہوتا ہے اور صفات؛ ذات سے جدا نہیں ہوتیں۔ تو یہاں جو قرب ہے وہ علم اور قدرت (صفات) کے اعتبار سے ہے جو قرب ذاتی کو مستلزم ہے۔

نمبر 7: قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ ت 1225ھ:

آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ﴾ {سورۃ النحل آیت 128} کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فَاللّٰهُ مَعَهُمْ بِالْوِلَايَةِ وَالْفَضْلِ وَالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَمَعِيَّةٌ ذَاتِيَّةٌ لَا كَيْفَ لَهَا

(التفسیر المظہری ج5 ص392)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دوستی، فضل و کرم، مدد و نصرت کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے اور یہ معیت ذاتی ہے جس کی کوئی کیفیت نہیں۔

نمبر 8: قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ت 1323ھ:

"حق تعالیٰ باوجود وراء الوراء کے قریب عبد کے ہے "وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ" ایسے تشاویش کی ضرورت نہیں اور "مَعَكُمْ" علم سے معیت تعبیر کرنا کچھ حاجت نہیں "هُوَ" ضمیر ذات ہے جہاں علم وہاں ذات۔ پس تکلف کی کیا حاجت ہے؟ حق تعالیٰ فوق، تحت سے بری ہے۔ فوق اور تحت اور ہر جا موجود ہے عروج روح و قلب کا فوق کی جانب اس خیال سے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ فوق العرش ہے۔ نہیں سب جگہ ہے قلب مومن کے اندر بھی ہے پس فوق کا خیال مت کرو۔"

(مکاتیب رشیدیہ ص42)

نمبر 9: حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ت 1362ھ:

﴿وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌ بِالۡكٰفِرِيۡنَ﴾ [سورۃ البقرۃ آیت: 19] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس میں دلیل ہے قولِ صوفیہ کی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کو ذاتاً محیط ہے بدون اتصال اور کسی کیفیت کے نہ محض علم ہی سے محیط ہے۔"

(تفسیر بیان القرآن: ج1 ص22)

سوال وجواب:

"مسئله: قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ وَقَالَ: وَهُوَ مَعَكُمۡ الآیة فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَقُوۡلُ اِنَّ الۡقُرۡبَ بِاعۡتِبَارِ الذَّاتِ وَالۡوَصۡفِ وَيَقُوۡلُ بَعۡضُ النَّاسِ اِنَّ الۡقُرۡبَ بِحَسۡبِ الۡوَصۡفِ فَقَطۡ، فَاَيُّ الۡحِزۡبَيۡنِ عَلَى الصَّوَابِ وَاَيُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ عَلَى الۡحَقِّ؟ وَاِنۡ كَانَ اللّٰهُ قَرِيۡبًا بِالذَّاتِ؛ هَلۡ يَقۡرُبُ مَعَ كَوۡنِ اسۡتِوَائِهٖ عَلَى الۡعَرۡشِ اَمۡ لَا؟ ثُمَّ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ بِالۡقُرۡبِ الۡوَصۡفِيِّ يَدَّعُوۡن بِالۡقَائِلِيۡنَ بِالۡقُرۡبِ الذَّاتِيِّ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِقَوۡلِهِمۡ بِالۡقُرۡبِ الذَّاتِيِّ. هَلۡ يَجُوۡزُ نِسۡبَةُ الۡكُفۡرِ اِلٰى مَنۡ قَالَ اِنَّ الۡقُرۡبَ ذَاتِيٌّ اَمۡ لَا؟

الجواب: لَمَّا كَانَ الۡمُتَبَادَرُ عِنۡدَ الۡعَامَّةِ مِنَ الۡمَعِيَّةِ الذَّاتِيَّةِ هِيَ الۡمَعِيَّةُ الۡجِسۡمَانِيَّةُ اَبۡطَلَهَا الۡعُلَمَاءُ وَكَفَّرَ بَعۡضُهُمُ الۡقَائِلِيۡنَ بِهَا، وَلَوۡ اُرِيۡدَ بِهَا الۡمَعِيَّةُ غَيۡرُ الۡمُتَكَيِّفَةِ فَلَا مَحۡذُوۡرَ فِي الۡقَوۡلِ بِهَا، وَالۡاِمۡتِنَاعَ فِي اجۡتِمَاعِهَا بِالۡاِسۡتِوَاءِ لِاَنَّ الذَّاتَ لَيۡسَتۡ بِمُتَنَاهِيَةٍ وَالۡمَعِيَّةُ لَيۡسَتۡ بِمُتَكَيِّفَةٍ، وَمَنۡ لَمۡ يَقۡدِرۡ عَلٰى اعۡتِقَادِهَا بِلَا كَيۡفِيَةٍ فَالۡاَسۡلَمُ لَهٗ اَنۡ يَّقُوۡلَ بِالۡمَعِيَّةِ الۡوَصۡفِيَّةِ (ای العلمیۃ) فَقَطۡ، وَبِهٰذَا التَّقۡرِيۡرِ خَرَجَ الۡجَوَابُ مِنۡ كُلِّ سُوَالٍ وَارۡتَفَعَ كُلُّ اِشۡكَالٍ. وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الۡكَبِيۡرِ الۡمُتَعَالِ عَنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَخَيَالٍ"

(بوادر النوادر از حضرت تھانویؒ ص50، 51)

ترجمہ: مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قرب فقط وصف کے اعتبار سے ہے۔ ان میں سے کس کا موقف درست ہے اور کون حق پر ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ بالذات قریب ہو تو کیا عرش پر مستوی ہوتے ہوئے قریب ہو گا یا نہیں؟ پھر جو لوگ قربِ وصفی کے قائل ہیں وہ قرب ذاتی کے قائلین کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ قربِ ذاتی کے قول کی وجہ سے کافر ہیں۔ تو جس شخص نے کہا کہ قرب ذاتی ہے' کیا اس شخص کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ ''معیت ذاتیہ'' کہنے سے عوام کا ذہن فوراً ''معیتِ جسمانیہ'' کی طرف جاتا ہے اس لیے علماء نے اس کا انکار کر دیا اور بعض علماء نے معیتِ ذاتیہ کے قائلین کو کافر تک کہہ دیا اور اگر معیت ذاتیہ کا معنی ''معیت بغیر کیفیت'' کیا جائے تو اس نظریہ کا قائل ہونے میں کوئی حرج بھی نہیں، اور معیتِ ذاتیہ بلا کیفیت کو استواء (علی العرش) کے ساتھ جمع کرنا ممتنع بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ متناہی نہیں اور معیت متکیفہ نہیں، اور جو شخص معیت بلا کیفیت کے اعتقاد پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ معیتِ وصفیہ یعنی علمیہ کا قائل ہو جائے۔ اس تقریر سے سارے سوال ختم ہو گئے اور سارے اشکالات حل ہو گئے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بڑا ہے اور ہر مکان اور خیال سے پاک ہیں۔

نمبر 10: فاضل دار العلوم دیوبند حضرت مولانا عبد الحق حقانی رحمہ اللہ ت 1409ھ بانی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

''اللہ تعالیٰ کے لیے کائنات کے ساتھ معیت ذاتی و علمی ماننے میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ معیت علمی سے خود معیت ذاتی متحقق ہو جاتی ہے۔''

(فتاویٰ حقانیہ: ج2 ص270)

نمبر 11: مفتی اعظم ھند مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ ت 1417ھ:

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ہر صغیر و کبیر کا عالم ہے، کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، نصوصِ صریحہ اور دلائل قطعیہ سے اس کا ثبوت ہے: قال تعالیٰ: ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے لیے دوسری اشیاء کی طرح کوئی مخصوص مکان محیط نہیں، کیونکہ وہ مکانی نہیں بلکہ واجب اور قدیم ہے اور مکان و زمان وغیرہ حادث اور اس کی پیدا کی ہوئی ہیں، پھر کوئی مکان وغیرہ کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج1 ص245)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''خدا ہر جگہ موجود ہے۔''

(ملفوظات فقیہ الامت: ج2 ص14)

نمبر12: عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ ت1434ھ:

" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ** جہاں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اتنی عظیم الشان والا ہمارے، آپ کے حجروں اور کمروں میں ساتھ ہے، کوٹھڑیوں میں ساتھ ہے، لیکن انسان کی فطرت دیکھیے کہ چند انسان اس کو دیکھ رہے ہوں تو وہاں گناہ سے بچتا ہے اور پھر گناہ کے لیے تنہائی تلاش کرتا ہے، راستے بند کرتا ہے، دروازے بند کرتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے لیکن وہ ذات پاک جو مخلوق سے بے شمار گنا عظیم الشان اور عظیم القدرۃ ہے وہ وہیں ساتھ میں ہے، **وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ.**"

(اہل اللہ اور صراط مستقیم، سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر21، ص11،12)

نمبر13 ،14 مجاہد ختم نبوت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ ت1971ء

رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ ت1421ھ:

رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ فرماتے تھے شیخوپورہ میں ختم نبوت کا جلسہ تھا۔ تو ایک شخص نے مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ سے دوران تقریر پوچھا کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر اور ناظر ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا: اگر یہاں شیخوپورہ میں ایک پلاٹ ہو تو آپ اس میں آپ علیہ السلام کا گھر بنالو، حضرت امی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بنا لو! اس نے کہا: وہ یہاں کیسے بنا سکتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: پھر یہاں مسجد بنالو، مسجد بنا سکتے ہو؟ اس نے کہا: جی بنا سکتے ہیں ۔ فرمایا: بس یہی فرق ہے، اللہ تعالیٰ چونکہ ہر جگہ ہے تو ان کا گھر بھی ہر جگہ بن سکتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہیں تو آپ کا گھر بھی ہر جگہ نہیں بن سکتا۔

نمبر15: فاضل دار العلوم دیوبند مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ ت1424ھ:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (سورۃ البقرۃ: 186) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ وجود اور ذات کے اعتبار سے قریب ہے، علم اور قدرت کے اعتبار سے بھی خدا تعالیٰ قریب ہے۔"

(معالم العرفان فی دروس القرآن: ج3 ص200)

نمبر16: فاضل دار العلوم دیوبند امام اھل السنۃ والجماعۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ ت1430ھ:

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ (سورۃ النساء: 108) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، ایسا نہیں ہے کہ عرش پر ہے اور ساتھ نہیں ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، ذات کے لحاظ سے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

(تفسیر ذخیرۃ الجنان: ج4 ص 239)

نمبر17: مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ ت1432ھ رئیس دار الافتاء دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

''معیت علمی اور معیت ذاتی کما یلیق بشانہ تعالیٰ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔''

(فتاویٰ فریدیہ: ج1 ص392)

نمبر18: مفتی محمد زرولی خان رحمہ اللہ ت1442ھ:

آپ رحمہ اللہ ایک کلپ میں اللہ پاک کے ہر جگہ موجود ہونے کو بیان فرماتے ہیں۔

بیان کا لنک یہ ہے''

'' https://www.youtube.com/hashtag/marnekebaadkoigharaasaktahe

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف عرش معلی پر موجود ہے اور جو لوگ کہتے ہیں ہر جگہ موجود ہے یہ سب غلط باتیں ہیں۔

جواب: اللہ رب العالمین تو کہتے ہی اسی کو ہیں جو ہر جگہ ہے۔ اب یہ کہ بوجودہ ہے یا بقدرتہ وعلمہ ہے؟ یہ اختلاف متکلمین میں ہے۔ راجح بات یہی ہے کہ اللہ کا وجود ہر جگہ مسلمہ ہے۔

نمبر19: مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم رئیس دار لعلوم کراچی:

''اللہ رب العزت کی ذات تو ایسی عظیم ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ کسی خاص مقام تک محدود نہیں ہے، کعبہ بیت اللہ ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر موجود ہے اس کے سوا کہیں اور موجود نہیں، ایسا نہیں بلکہ وہ تو ہر جگہ ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾

تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

یعنی تم جہاں بھی ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، اس وقت بھی ساتھ ہے، تمہارے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی۔ اور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (سورۃ ق، آیت نمبر ١٦)

اور ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

انسان کی شہ رگ کتنی قریب ہوتی ہے، جسم کا حصہ ہے لیکن فرمایا کہ ہم ہر انسان کے اس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تو اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس تو لا محدود ہے وہ کسی خاص مکان کے ساتھ محدود نہیں ہے، کسی خاص مکان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ چنانچہ عرش پر بھی ہے، آپ کے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی، ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر جگہ ہے۔ مدینہ میں بھی ہے اور مکہ میں بھی۔ ہر آسمان پر ہے، عرش پر بھی ہے اور کرسی پر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے تو اس لحاظ سے ہر جگہ ہی افضل ہے۔''

(ماہنامہ البلاغ: ربیع الاول ۱۴۳۴ھ/فروری ۲۰۱۴ء ص 21 خطاب حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی)

نمبر 20: حضرت مولنا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم:

''مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اس کی تابع فرمان ہیں، اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دے بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔''

(آسان ترجمہ: ج 1 ص 90 سورۃ البقرہ آیت 115)

نمبر 21: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی سے جاری ہونے والا فتویٰ:

''س: عقائد کی اصلاح اور تعلیم کے لیے رہنمائی فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے، کسی خاص مکان یا جگہ کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں ہے۔''

نوٹ: یہ فتویٰ ان کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔

تنبیہ:

ہم نے معیت ذاتیہ کو ثابت کرنے کے لئے تیس دلائل دیئے ہیں جن میں:

13 قرآنی آیات۔

8 مرفوع احادیث۔

1 موقوف حدیث۔

8 عقلی دلائل۔

اس کے بعد ہم نے 21 اکابرین کے حوالہ جات پیش کئے اور پھر اھل السنت والجماعت پر ہونے والے تین اعتراضات کے جوابات دیئے۔

غیر مقلدین کی طرف سے پیش کی جانے والی 6 آیات، 2 احادیث، 3 عقلی دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

3: اسماء باری تعالیٰ

اسماء باری دو قسم پر ہیں۔[۱]:ذاتی [۲]: صفاتی

چند فوائد:

فائدہ نمبر1: ذاتی نام صرف ایک اللہ ہے باقی تمام اسماء صفاتی ہیں۔

فائدہ نمبر2 : اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کو ''اسماءِ حسنیٰ'' کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر3 : جو اسماء قرآن وحدیث میں ذات باری تعالیٰ کے لیے استعمال کیے گئے ہیں یا تعامل امت، عرف عام میں ان اسماء کا اطلاق ذات باری پہ کیا گیا ہے تو ان اسماء کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے جائز ہے جیسے سمیع، علیم، قدیم واجب وغیرہ۔رہے وہ اسماء جن کا استعمال ذات باری تعالیٰ کے لیے قرآن وحدیث یا اجماع سے ثابت نہیں تو ان کے اطلاق کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ وہ لفظ اگر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی ترجمانی کرتا ہو، غیر اللہ کے ساتھ خاص نہ ہو اور اس کے استعمال سے ذات باری کی تنقیص کا پہلو نہ نکلتا ہو تو ان اسماء کا استعمال کرنا جائز ہو گا جیسے خدا یہ صفت مالک ورب کا ترجمہ ہے۔

فائدہ نمبر4 : ہر زبان میں ذاتِ باری کے لئے ذاتی نام مقرر ہے۔ان کا استعمال اسی زبان میں ذات باری کے لئے جائز ہے۔جیسے فارسی اور اردو میں ''خدا'' اور انگریزی میں ''GOD'' (بڑی G کے ساتھ) البتہ کفار میں ذات باری کے لئے استعمال ہونے والے اسماء کے بارے میں جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ یہ ذاتی ہیں یا صفاتی۔اور صفاتی ہیں تو صفات میں سے کس صفت کی ترجمانی کرتے ہیں' اس وقت تک اس کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے۔اور اگر غیر عربی زبان کا لفظ کسی صفت کی ترجمانی کرے مگر وہ کفار کا شعار بن چکا ہو تو ایسا لفظ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی (ت1416ھ) لکھتے ہیں:

''اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر قوم کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں جا سکتا جیسے خدا، ایزد، یزداں کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہلِ اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں''۔

فتاویٰ محمودیہ: ج1 ص271

اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز ہے

تمہید

بعض لوگوں کی دن رات محنت کا مقصد امت کے مقتدا علماء کی تکفیر ہوتی ہے اس لئے کبھی تو وہ براہ راست کفر و شرک کے فتوے لگاتے ہیں اور کبھی چند مسائل کی آڑ میں یہ کام کرتے ہیں چنانچہ ان کی ایک چال یہ ہے کہ لفظ خدا چونکہ غیر عربی ہے اس کی جمع آتی ہے لہذا اس لفظ کو اللہ تعالی کیلئے استعمال نہیں کرنا چاہئے اس سے شرک کی بو آتی ہے اس لفظ کو اللہ کیلئے استعمال کرنا شرک ہے مقصد یہ تھا کہ جب لوگ اس بات کو تسلیم کر لینگے تو پھر اکابر علماء کے حوالہ جات پیش کئے جائینگے کہ فلاں نے لفظ خدا کہا مشرک، فلاں نے لفظ خدا کہا مشرک تو مقصد امت کو مشرک بنانا تھا اس کیلئے آڑ اس مسئلہ کو بنایا۔ حالانکہ لفظ خدا اللہ تعالی کے صفاتی ناموں میں سے مالک اور رب کا ترجمہ ہے اس لئے اس لفظ "خدا" کو بغیر اضافت کے ذات باری تعالی کیلئے استعمال کرنا جائز ہے۔

1. سید الفقہاء امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ فرماتے ہیں:

وَكُلُّ شَيْءٍ ذَكَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِيَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللهِ عَزَّ اسْمُهُ فَجَائِزٌ الْقَوْلُ بِهِ

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: اللہ تعالی کی ہر وہ صفت جس کا ذکر علماء نے فارسی زبان میں کیا ہے اس کا اطلاق (ذاتِ باری تعالیٰ پر) جائز ہے۔

2. امام ابو عبداللہ محمد بن عمر فخر الدین رازی رحمہ اللہ ت 606ھ فرماتے ہیں:

وقولهم بالفارسية "خداى" معناه أنه واجب الوجود لذاته لأن قولنا: "خداى" كلمة مركبة من لفظتين في الفارسية: إحداهما: خود، ومعناه ذات الشيء ونفسه وحقيقته والثانية قولنا: "آى" ومعناه جاء، فقولنا: "خداى" معناه أنه بنفسه جاء، وهو إشارة إلى أنه بنفسه وذاته جاء إلى الوجود لا بغيره،

تفسیر کبیر ج 1 ص 78 سورۃ الفاتحہ، الاسم العاشر

ترجمہ: فارسی میں اللہ تعالی کو خدا کہنے کا معنی یہ ہے کہ اس کا موجود ہونا ذاتی ہے لفظ خدا فارسی کے دو لفظوں سے بنا ہے ایک لفظ ''خود'' جس کا معنی ہے کسی کا از خود موجود ہونا اور دوسرا لفظ ''آی'' جس کا معنی ہے آنا۔ ہمارا اللہ کو خدا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود بخود موجود ہے اپنے وجود میں کسی اور کا محتاج نہیں۔

3. مولوی غیاث الدین محمد بن جلال الدین رامپوری رحمہ اللہ ت 1261ھ فرماتے ہیں:

''خدا بالضم بمعنی مالک و صاحب۔ چوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذات باری تعالی اطلاق نکند مگر در صورتے کہ بچیزے مضاف شود، چوں کہ خدا، ودہ خدا۔ و گفتہ اند کہ خدا بمعنی خود آئندہ است، چہ مرکب است از کلمہ ''خود'' وکلمہ ''آ'' کہ صیغہ امر است از آمدن، و ظاہر است کہ امر بترکیب اسم معنی اسم فاعل پیدا می کند، وچوں حق تعالی بظہور خود بدیگرے محتاج

نیست لہذا بایں صفت خواندند، از رشیدی، وخیابان وخان آرزودر سراج اللغات نیز از علامہ دوانی سوامام فخر الدین رازی ہمیں نقل کردہ۔''

(غیاث اللغات ص185)

ترجمہ۔ لفظ'' خدا''(خاکی پیش کے ساتھ)مالک اور صاحب کے معنی میں ہے جب لفظ خدا مطلق ہو تو حق تعالی شانہ کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں بولتے مگر جس صورت میں کہ کسی چیز کی طرف مضاف ہو، مثلاً کہ خدا، دہ خدا۔ اور علماء نے لکھاہے کہ لفظ خدا کے اصل معنی ہیں خود ظاہر ہونے والا (یعنی جس کا وجود ذاتی ہو، کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو) کیونکہ خدا کا لفظ دو لفظوں سے مرکب ہے ''خود'' اور ''آ''اور ''آ''کا لفظ آمدن سے امر کا صیغہ ہے اور فارسی کا قاعدہ ہے کہ امر کا صیغہ کسی اسم کے ساتھ مل کر اسم فاعل کا معنی دیتا ہے چونکہ حق تعالی شانہ اپنے وجود و ظہور میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں اس لئے حق تعالی کیلئے یہ صفت استعمال کی گئی یہ مضمون رشیدی اور خیابان (دو کتابوں کے نام) سے ماخوذ ہے اور خان آرزو نے سراج اللغات میں علامہ دوانی اور امام فخر الدین رازی سے یہی نقل کیا ہے۔

4. مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ ت2000ء فرماتے ہیں:

'' لفظ خدا حق تعالی شانہ کے اسم ذات اللہ کا ترجمہ نہیں بلکہ لفظ خدا فارسی کا لفظ ہے جس کے معنی مالک، صاحب، آقا، اور واجب الوجود کے ہیں''

آپ کے مسائل اور ان کا حل ج2 ص566

لفظ خدا اپنے اصل معنی کے لحاظ سے حق تعالی شانہ کا صفاتی نام ہے یعنی وہ ذات پاک جس کا وجود اپنا ذاتی ہو اور وہ اپنے وجود میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں اس لئے اس لفظ کا اطلاق حق تعالی شانہ کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں ہوتا اور یہ کہ یہ لفظ عربی لفظ مالک اور رب کے ہم معنی ہے جس طرح عربی میں لفظ رب مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق حق تعالی کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں البتہ اضافت کے ساتھ استعمال کیا جائے مثلاً رب المال (مال کا مالک) رب البیت (گھر کا مالک) تو اس کا اطلاق دوسروں پر بھی ہوتا ہے اسی طرح خدا کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے مالک علی الاطلاق مراد ہوتا ہے اور وہ حق تعالی شانہ کی ذات پاک ہے اور جب یہ لفظ اضافت کے ساتھ بولا جائے جیسے کہ ''کہ خدا'' { گھر کا مالک} ''دہ خدا'' {گاؤں کا مالک} تو یہ لفظ اضافت کے ساتھ دوسروں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔''

آپ کے مسائل اور ان کا حل ج2 ص567

دلائل:

دلیل نمبر 1:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا.

(الاعراف آیت 180)

ترجمہ: اللہ تعالی کے اچھے اچھے نام ہے ان ناموں سے اللہ کو پکارا کرو۔

استدلال:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے صفاتی نام بہت سارے ہیں جن کے ذریعے اللہ پاک کو پکارنا جائز ہے ان صفاتی ناموں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کا عربی زبان کے علاوہ دوسرے زبانوں میں ترجمہ کیا جاسکتا ہے جیسے لفظ رب، مالک۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ذاتی نام کا ترجمہ تو کسی زبان میں بھی نہیں ہو سکتا، اللہ تعالی کے جو صفاتی نام ہیں ان کا ترجمہ اور مفہوم دوسری زبانوں میں ادا کیا جاسکتا ہے اسلئے اللہ تعالی کو جو خدا کہا جاتا ہے یہ اس کے صفاتی نام مالک کا مفہوم ادا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ خدا اللہ تعالی کے سوا کسی کو نہیں کہا جاتا اور نہ کہا جاسکتا ہے اس لئے اللہ تعالی کو خدا کہہ کر پکارنا سورۃ اعراف کی اس آیت "وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا"

(الاعراف آیت 180)

کے ذیل میں آتا ہے''

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج 2 ص 565)

دلیل نمبر 2:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

{سورۃ القصص آیت 88}

ترجمہ: اللہ پاک کی ذات کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ ت 1394 اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

'' کسی شئے کا وجود ذاتی اور خود بخود نہیں خدا کو خدا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اس کا وجود ذاتی ہے اس کے سوا جو چیز بھی موجود کہلاتی ہے تو اس کا وجود خدائے واجب الوجود کے سہارے سے ہے۔''

(معارف القرآن ج 6 ص 81)

دلیل نمبر 3: قیاس شرعی:

جب اللہ تعالی کے دوسرے صفاتی ناموں کا ترجمہ دوسری زبانوں میں جائز ہے جیسے رحمان کا ترجمہ مہربان، رب کا معنی پروردگار۔ تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مالک کا معنی اور ترجمہ خدا بھی جائز ہونا چاہئے۔

چند شبہات

جو لوگ اللہ تعالی کو خدا کہنا جائز نہیں سمجھتے وہ کئی قسم کے شبہات پیش کرتے ہیں۔

شبہ 1:

خدا ایسا لفظ ہے کہ غیر اللہ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے ایسا لفظ اللہ کیلئے استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

جواب 1:

اس طرح تو اللہ تعالی کی بہت ساری صفات ہیں جو عام بندوں کیلئے استعمال ہوتی ہیں۔

مثلاً:

1: رب: انسان کیلئے عربی میں عام استعمال ہوتا ہے اور قرآن کریم نے بھی استعمال کیا ہے۔

مثلاً:

{الف} جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا" مَعَاذَاللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْ اَحْسَنَ مَثْوَایَ"

(سورت یوسف آیت نمبر 23)

ترجمہ: اللہ کی پناہ؛ وہ میرا آقا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے

{ب} جب حضرت یوسف علیہ السلام سے دو قیدیوں نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا ''اَمَّا اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّہٗ خَمْرًا''

(سورت یوست آیت نمبر 41)

ترجمہ: تم میں سے ایک آزاد ہو کر اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔

{ج} جس کے بارے میں آپ کا گمان تھا کہ وہ رہا ہو گا اسے فرمایا"اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ "

(سورت یوسف آیت 42)

ترجمہ۔ رہا ہونے کے بعد اپنے آقا کے سامنے میرا تذکرہ کرنا

{د} کچھ عرصے بعد بادشاہ نے خواب دیکھا اور تعبیر پوچھنے کیلئے اسی آزاد ہونے والے شخص کو حضرت یوسف کے پاس بھیجا آپ نے تعبیر بتائی بادشاہ نے کہا کہ اس بندے کو میرے پاس لاؤ جب قاصد بلانے کی لئے پہنچا تو آپ نے فرمایا

" اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ "

(سورت یوسف آیت 50)

ترجمہ: اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے ان کا کیا قصہ ہے؟

2: سمیع: یہ لفظ اللہ تعالیٰ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے "اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ" (سورت سبا:50)

ترجمہ: میرا رب سب کچھ سنتا ہے۔

اور سماع کا لفظ بندوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے " اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ "

(سورت البقرہ آیت 75)

ترجمہ: کیا تم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں۔ پھر سمجھنے اور جاننے کے باوجود اس میں تحریف کرتے رہے ہیں۔

3،4: رؤف، رحیم : یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ "

(سورت البقرۃ آیت 143)

اور یہی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی استعمال ہوئے ہیں "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ "(سورۃ توبہ آیت نمبر 59)

ترجمہ۔ تمھارے پاس ایک ایسا رسول آیا جو تم میں سے ہے تمھاری ہر تکلیف پر اسے مشقت ہوتی ہے تمھاری بھلائی کے معاملے میں حریص ہے مؤمنین کیلئے انتہائی شفیق اور مہربان ہے۔

5 : مالک: یہ لفظ اللہ تعالیٰ کیلئے بھی استعمال ہوا ہے "مالك يوم الدين" (سورت الفاتحہ آیت 3)

اور فرشتے کیلئے بھی قیامت کے دن اہل جہنم جہنم کے عذاب سے تنگ آکر فرشتے سے کہیں گے

" يٰمَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ "(سورت زخرف آیت 77)

ترجمہ: اے مالک تمھارا پروردگار ہمیں موت دے کر ہمارا کام تمام کردے۔

فائدہ: ان اسماء کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جب یہ اللہ پاک کی ذات کے لئے استعمال ہوں تو معنی اور ہوگا، جب مخلوق کے

لئے استعمال ہوں گے تو معنی اور ہو گا۔

امام محمد بن علی بن محمد المعروف امام علاءالدین الحصکفی رحمہ اللہ ت 1088ھ فرماتے ہیں:

"وَجَازَ التَّسْمِيَةُ عَلِيّ وَرَشِيْدٍ مِنَ الْاَسْمَآءِ الْمُشْتَرِكَةِ وَيُرَادُ فِيْ حَقِّنَا غَيْرُ مَا يُرَادُ فِيْ حَقِّ اللهِ تَعَالٰى

الدر المختار ج6ص فرع یکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس 417

ترجمہ: کسی کا نام اسماء مشترکہ میں سے رکھنا جائز ہے جیسے "علی" اور "رشید"۔ ہمارے حق میں ان اسماء کا وہ معنی مراد نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے لیے مراد ہوتا ہے۔

جواب 2: جس طرح لفظ "رب" کا اطلاق بغیر اضافت کے غیر اللہ پر نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح لفظ "خدا" جب بھی مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ بغیر اضافت کے کسی دوسرے کو "خدا" کہنا جائز نہیں۔

- مولوی غیاث الدین محمد بن جلال الدین رامپوری رحمہ اللہ ت 1261ھ فرماتے ہیں:

چوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذات باری تعالیٰ اطلاق نکند مگر در صورتے کہ بچیزے مضاف شود، چوں کہ خدا، وده خدا

(غیاث اللغات ص185)

ترجمہ: جب لفظ خدا مطلق ہو تو حق تعالیٰ شانہ کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں بولتے مگر جس صورت میں کہ کسی چیز کی طرف مضاف ہو، مثلاً کہ خدا، ده خدا۔

- مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ ت 2000ء فرماتے ہیں:

جس طرح عربی میں لفظ رب مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق حق تعالیٰ کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں البتہ اضافت کے ساتھ استعمال کیا جائے مثلاً رب المال (مال کا مالک) رب البیت (گھر کا مالک) تو اس کا اطلاق دوسروں پر بھی ہوتا ہے اسی طرح خدا کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے مالک علی الاطلاق مراد ہوتا ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک ہے اور جب یہ لفظ اضافت کے ساتھ بولا جائے جیسے کہ "کہ خدا" { گھر کا مالک} "ده خدا" {گاؤں کا مالک} تو یہ لفظ اضافت کے ساتھ دوسروں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل ج2ص 567

شبہ 2:

لفظ خدا عربی نہیں اس لئے اللہ کیلئے لفظ خدا کو استعمال نہیں کرنا چاہئے

جواب:

اللہ کو خدا کہنا ایسا ہی جائز ہے جیسے ہم اپنی زبان میں نماز، روزہ، درود پیغمبر پیامبر فرشتے دوزخ بہشت وغیرہ یہ کلمات کہتے ہیں

یہ سارے کے سارے کلمات غیر عربی ہیں ایسے ہی خدا کا لفظ قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے کیونکہ یہ ایک غیر عربی کلمہ ہے فارسی یا اردو میں ہم رب کو خدا یا پروردگار کہتے ہیں اگر ہم غیر عربی میں نماز پیغمبر دوزخ درود وغیرہ کلمات کہہ سکتے ہیں اور یہ جائز ہے تو پھر خدا کہنا بھی جائز ہے۔

شبہ 3:

لفظ خدا کی جمع خدایان آتی ہے اس جمع سے شرک کی بو آتی ہے کیونکہ اللہ ایک ہے۔

جواب:

اس دلیل کو اگر مان لیا جائے تو پھر اللہ کو الٰہ بھی نہیں کہنا چاہئے کیونکہ اس کی جمع الھۃ آتی ہے۔

" لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا "(سورت الانبیاء آیت نمبر 22)

ترجمہ: اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو فساد ہوتا۔

پھر رب بھی نہ کہیں کیونکہ جمع ارباب آتی ہے ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی ساتھیوں سے پوچھا

"أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ "(سورت یوسف آیت نمبر 39)

ترجمہ۔ کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے۔

بلکہ جمع کے علاوہ اس لفظ رب کی مؤنث بھی عربی زبان میں مستعمل ہے جبکہ لفظ خدا کم از کم اس عیب سے تو بَری ہے مشہور حدیث جسے حدیث جبرئیل کہتے ہیں اس میں ہے۔

إِذَا وَلَدَتِ الْمَرْأَةُ رَبَّتَهَا (صحیح بخاری باب قوله ان الله عنده علم الساعة)

ترجمہ: قیامت کے قریب لونڈی اپنے مالک کو جنے گی۔

جب اس سب کے باوجود قرآن نے بلا جھجک اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال کیا ہے تو خدا کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

پھر اللہ کو رحیم بھی نہ کہو کیونکہ اس کی جمع رحماء آتی ہے "رحمآء بینھم "(سورت الفتح آیت 29)

فائدہ نمبر 5 : حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: "إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى تِسْعَةً وَ تِسْعِينَ اسْمًا، مِائَةً إِلَّا وَاحِدَةً، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (جامع الترمذی ج2 ص190 کتاب الدعوات)[اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو ان کو یاد کرلے گا وہ جنت میں داخل ہوگا] میں وارد تمام اسماء حسنی کا حصر نہیں بلکہ ننانوے ناموں کا تذکرہ بطورِ فضیلت کے ہے، یعنی جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ان ننانوے اسماء کو یاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے جنت عطا فرمائیں گے۔

فائدہ نمبر 6 : ننانوے اسماء حسنیٰ:

"هو الله الذی لا اله الا هو الرَّحمٰن الرَّحیم المَلِك القُدُّوس السَّلام المؤمن المُهَیمِن العزیز الجبَّار المتَکَبِّر الخالق الباریء المصوِّر الغفَّار القهَّار الوهَّاب الرزَّاق الفتَّاح العلیم القابض الباسط الخافض الرافع المُعِزُّ المُذِلُّ السمیع البصیر الحَکَم العَدل اللطیف الخبیر الحلیم العظیم الغفور الشکور العَلِیُّ الکبیر الحفیظ المُقِیت الحسیب الجلیل الکریم الرقیب المُجیب الواسع الحکیم الوَدُود المجید الباعث الشهید الحَقُّ الوکیل القَوِیُّ المتین الوَلِیُّ الحمید المُحصِی المُبدِیُٔ المُعِید المُحیِی المُمِیت الحَیُّ القَیُّوم الواجد الماجد الواحد الاَحَد الصَمَد القادر المُقتَدِر المُقَدِّم المُؤَخِّر الاول الآخِر الظاهر الباطن الوالی المُتَعالی البَرُّ التوَّاب المُنتَقِم العَفُوُّ الرَّؤُف مالك الملك ذو الجلال والاکرام المُقسِط الجامع الغَنِیُّ المُغنِی المانع الضارُّ النافع النور الهادی البدیع الباقی الوارث الرشید الصبور."

فائدہ نمبر 7 : بواسطہ اسماءِ حسنیٰ دعائے مستجاب کا مجرَّب طریقہ:

گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر سورہ حشر کا آخری رکوع ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ الآیۃ﴾ پڑھیں اور جب ﴿مُتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ﴾ پڑھ چکیں تو اپنی مشکل کا نام لے کر یوں دعا مانگیں "یا اللہ! میری یہ مشکل میرے لئے پہاڑ ہے۔ اپنی قدرت، طاقت اور اس تلاوت کی برکت سے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ فرمادے" اور جب ﴿لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی﴾ پڑھ چکے تو ننانوے اسماءِ حسنیٰ کو پڑھے، دل میں اپنی مراد کا تصور کرے اور سورۃ الحشر کے رکوع کے اختتام پر گیارہ بار درود شریف پڑھے، پھر اپنی مراد مانگے۔

فائدہ نمبر 8 : اسماءِ حسنیٰ کو "یا" حرفِ ندا اور بغیر حرفِ ندا کے، دونوں طرح پڑھنا بلا کراہت درست اور جائز ہے۔

فائدہ 9: اسمائے حسنی میں سے کون سے اسماء بندوں کے لیے استعمال کے جا سکتے ہیں۔

اس بارے میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیق نہایت ہی قابل قدر ہے اور ہماری نظر میں اہل علم حضرات کے لیے کافی وافی ہے، "فتاویٰ عثمانی" سے من وعن نقل کی جاتی ہے۔

"سوال: آج کل عموماً باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ "عبد" کے اضافے کے ساتھ نام رکھے جاتے ہیں، مگر عموماً غفلت کی وجہ سے مسمّٰی کو بدون "عبد" کے پکارا جاتا ہے، حالانکہ بعض اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً عبد الرزاق وغیرہ، اندریں احوال اپنی جستجو کے مطابق فیض الباری ج:۴ ص:۴۲۳ سے اسمائے حسنی درج کر رہا ہوں، تحقیق فرمائیں کہ کون سے اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، کہ ان کو بدون "عبد" کے مخلوق کے لیے استعمال کرنا

گناہ کبیرہ ہے' اگر ان کے علاوہ اور کوئی اسماء ہوں تو وہ بھی درج فرمائیں مع تحقیق کے' نیز اسماء کے شروع یا آخر میں ''محمد'' یا'' احمد'' یا'' اللہ'' کا اضافہ کیسا ہے؟ مثلاً محمد متکبر، خالق احمد، محمد اللہ، احمد رزاق۔

اللہ، الرحمن، الرحیم، الملك، القدوس، السلام، المؤمن المهیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، الخالق، البارئ،

المصور، الغفار، القهار، التواب، الوهاب، الخلّاق، الرزاق، الفتاح، الحلیم، العلیم، العظیم، الواسع، الحکیم، الحی، القیوم، السمیع، البصیر، اللطیف، الخبیر، العلی، الکبیر، المحیط، القدیر، المولیٰ، النصیر، الکریم، الرقیب، القریب، المجیب، الحفیظ، المقیت، الودود، المجید، الوارث، الشهید، الولی، الحمید، الحق، المبین، الغنی، المالك، القوی، المتین، الشدید، القادر، المقتدر، القاهر، الکافی، الشاکر،

المستعان، الفاطر، البدیع، الفاخر، الاول، الآخر، الظاهر، الباطن، الکفیل، الغالب، الحکم، العالم، الرفیع، الحافظ، المنتقم، القائم، المحیی، الجامع، المليك، المتعالی، النور، الهادی، الغفور، الشکور، العفو، الرؤوف، الاکرام، الاعلیٰ، البر، الخفی، الرب الاله، الاحد، الصمد، الذی لم یلد، ولم یولد، ولم یکن له کفوا احد.

جواب: کسی کتاب میں یہ تفصیل تو نظر سے نہیں گزری کہ کون کون سے اسمائے حسنیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں' اور کون سے اسماء کا اطلاق دوسروں پر ہو سکتا ہے' لیکن مندرجہ ذیل عبارتوں سے اس کا ایک اصول معلوم ہوتا ہے:۔

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں: '' وَذَکَرَ غَیْرُوَاحِدٍ مِنَ الْعُلَمَآءِ اَنَّ هٰذِهِ الْاَسْمَآءَ...تَنْقَسِمُ قِسْمَةً اُخْرٰی اِلٰی مَا لَایَجُوْزُ اِطْلَاقُهٗ عَلٰی غَیْرِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی کَاللّٰهِ وَالرَّحْمٰنِ وَمَا یَجُوْزُ کَالرَّحِیْمِ وَالْکَرِیْمِ ''

(روح المعانی ج:9 ص123 طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور سورۃ الاعراف: آیت 180)

[ترجمہ: کئی علماء کا کہنا ہے کہ ان اسماء کی ایک اور تقسیم اس اعتبار سے بھی ہے کہ ان میں سے کس نام کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز نہیں جیسے اسم ''اللہ'' اور ''الرحمٰن'' اور کس نام کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز ہے جیسے اسم ''رحیم'' اور ''کریم'']

''وَجَازَ التَّسْمِیَّةُ بِعَلِیٍّ وَرَشِیْدٍ مِنَ الْاَسْمَآءِ الْمُشْتَرِکَةِ وَیُرَادُ فِیْ حَقِّنَا غَیْرُمَا یُرَادُ فِیْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰی ۔وَفِیْ رَدِّ الْمُحْتَارِ: اَلَّذِیْ فِی التَّاتَرْخَانِیَّةِ عَنِ السِّرَاجِیَّةِ التَّسْمِیَّةُ بِاسْمٍ یُوْجَدُ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی کَالْعَلِیِّ وَالْکَبِیْرِ وَالرَّشِیْدِ وَالْبَدِیْعِ جَائِزَةٌ الخ''

(شامی ج:5 ص:268 فرع یکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس)

[ترجمہ: کسی کا نام اسماء مشترکہ میں سے رکھنا جائز ہے جیسے ''علی'' اور ''رشید'' ۔ان اسماء سے ہمارے حق میں وہ معنی مراد

نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے لیے مراد ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ فتاویٰ تاترخانیہ میں فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے جو منقول ہے کہ ایسا نام رکھنا جائز ہے جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہو جیسے علی، کبیر، رشید، بدیع وغیرہ الخ]

وَفِي الْفَتَاوٰى الْهِنْدِيَّةِ: اَلتَّسْمِيَّةُ بِاسْمٍ لَمْ يَذْكُرْهُ اللهُ تَعَالٰى فِيْ عِبَادِهٖ وَلَا ذَكَرَهُ رَسُوْلُ اللهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا اسْتَعْمَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ تَكَلَّمُوْا فِيْهِ، وَالْاَوْلٰى اَنْ لَّا يَفْعَلَ كَذَا فِي الْمُحِيْطِ.

(فتاویٰ عالمگیریہ ص:362 حظر واباحت باب 22)

[ترجمہ: فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ایسا نام رکھنے کے بارے میں علماء نے کلام کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں ذکر نہیں کیا، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے اور بہتر یہی ہے کہ ایسا نام نہ رکھا جائے۔]

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

اسماء حسنیٰ میں بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو قرآن وحدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ۔ اور اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، ان کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا الحادِ مذکور میں داخل اور ناجائز وحرام ہے۔ (معارف القرآن ج:۴ ص:۱۳۲ سورہ اعراف:۱۸۰)

ان عبارتوں سے اس بارے میں یہ اصول مستنبط ہوتے ہیں۔

نمبر 1: وہ اسمائے حسنیٰ جو باری تعالیٰ کے اسم ذات ہوں یا صرف باری تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کے معنی ہی میں استعمال ہوتے ہوں، ان کا استعمال غیر اللہ کے لیے کسی حال جائز نہیں، مثلاً: الله، الرحمٰن، القدوس، الجبار، المتكبر، الخالق، البارئ، المصور، الرزاق، الغفار، القهار، التواب، الوهاب، الخلاق، الفتاح، القيوم، الرب، المحيط، المليك، الغفور، الاحد، الصمد، الحق، القادر المحيي۔

نمبر 2: وہ اسمائے جو باری تعالیٰ کی صفات خاصہ کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیا جا سکتا ہو، ان میں تفصیل یہ ہے

کہ اگر قرآن وحدیث، تعاملِ امت یا عرفِ عام میں ان اسماء سے غیر اللہ کا نام رکھنا ثابت ہو تو ایسا نام رکھنے میں مضائقہ نہیں، مثلاً: عزیز، علی، کریم، رحیم، عظیم، رشید، کبیر، بدیع، کفیل، ھادی، واسع، حکیم وغیرہ اور جن

اسمائِ حسنیٰ سے نام رکھنا نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو اور نہ مسلمانوں میں معمول رہا ہو، غیر اللہ کو ایسے نام دینے سے پرہیز لازم ہے۔

نمبر3: مذکورہ دو اصولوں سے اصول خود بخود نکل آیا کہ جن اسمائے حسنیٰ کے بارے میں یہ تحقیق نہ ہو کہ قرآن وحدیث ،تعاملِ امت یا عرف میں وہ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں یا نہیں؟ ایسے نام رکھنے سے بھی پرہیز لازم ہے' کیونکہ اسمائے حسنیٰ میں اصل یہ ہے کہ ان سے غیر اللہ کا نام رکھنا جائز نہ ہو' جواز کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ان اصولوں پر تمام اسمائے حسنیٰ کے بارے میں عمل کیا جائے' تاہم یہ جواب چونکہ قواعد سے لکھا ہے اور ہر ہر نام کے بارے میں اسلام کی کوئی تصریح احقر کو نہیں ملی، اس لیے اگر اس میں دوسرے اہل علم سے بھی استصواب کر لیا جائے تو بہتر ہے۔واللہ سبحانہ اعلم

(فتاویٰ عثمانی: ص52، 53)

فائدہ نمبر10: نظریہ صفات باری تعالیٰ کو دلائل کے ساتھ سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

1: کتاب الاسماء والصفات۔امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت458ھ)

2: دَفْعُ شُبَهِ التَّشْبِيه۔امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد تمیمی المعروف ابن جوزی (ت597ھ)

3: اَسَاسُ التَّقدِيْس۔امام فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین تمیمی الرازی (ت606ھ)

4: ايضاح الدليل فی قَطْعِ حُجَجِ اهل التَّعْطِيل ۔ قاضی محمد بن ابراہیم بن سعداللہ الکنانی الشافعی المعروف بدر الدین ابن الجماعہ (ت728ھ)

5: شرح المقاصد۔امام مسعود بن عمر بن عبداللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (ت793ھ)

6: شرح المَواقِف۔علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی (ت816ھ)

7: المُسَامَرة شرح المسايرة۔

[المتن: المُسَايرة فی العقائد المُنْجِيَةِ فِي الْآخِرَة۔ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن الہمام (ت861ھ)

الشرح: المسامرة۔امام کمال الدین محمد بن محمد بن ابی بکر بن علی بن ابی شریف (ت905ھ)]

8: اشارات المَرام من عبارات الامام۔امام کمال الدین احمد بن حسن بن سنان الدین بیاضی البوسنوی الحنفی (ت1098ھ)

9: اِتِّحَافُ الْكَائِنَات ببيان مذهب السلف و الخلف فی المتشابهات۔ شیخ محمود محمد خطاب السبکی (ت1325ھ)

10: تمهید الفرش فی تحدید العرش۔ مولانا محمد اشرف علی تھانوی(ت1362ھ)

11: مقالات الکوثری۔ شیخ محمد زاہد بن الحسن الکوثری(ت1371ھ)